کون سے آنسو اُس کے تھے

نبیلہ ابر راجہ

بیٹھ گئی۔ آنے والی راحیلہ بھابھی تھیں۔ انبساط کی ساری سستی پل بھر میں دور ہو گئی۔

راحیلہ کے ہاتھ میں بڑی ٹرے میں گرما گرم بھاپ اڑاتی خوشبودار چائے کا مگ تھا۔

"اٹھو انبساط! چائے لو اور چینج کے بعد باہر آجاؤ۔ سفیان بھائی کی فرمائش پہ آج ناشتہ لان میں لگایا ہے۔ کہتے ہیں، موسم بدل رہا ہے، باہر لان میں ناشتہ کرنے میں مزا آئے گا۔ تم کوئی خاص چیز لو گی ناشتے میں؟"

راحیلہ اس کی خمار آلود غلافی آنکھوں کی طرف غور سے دیکھنے لگیں۔ انبساط نے مگ تھامتے ہوئے نفی میں سر ہلایا تو راحیلہ بھابھی مطمئن سی ہو کر کچن میں آگئیں۔ زرینہ قیمہ بھرے پراٹھے بڑی تندہی کے ساتھ پکانے میں مشغول تھی۔

چند منٹ بعد انبساط تیار ہو کر سیدھی لان میں آ گئی۔

سفیان اور نعمان نے ایک خوشگوار مسکراہٹ اس کی طرف اچھالی۔ جواباً وہ بھی مسکرائی اور ساتھ رکھی کرسی پہ بیٹھ گئی۔ زرینہ نے ناشتے کے سارے لوازمات سامنے بڑی ٹیبل پہ سجا دیے تھے۔ انبساط نے برائے نام ناشتہ لیا۔ ڈرائیور یوسف کب سے انتظار میں کھڑا تھا۔

راحیلہ اور روبا بھابھی نے بڑی محبت سے اسے اللہ حافظ کہا۔

سفیان بھائی معمول کے مطابق گیٹ کے پاس کھڑے اسے گاڑی میں بیٹھتا دیکھ رہے تھے۔ گاڑی گیٹ کے پاس سے ٹرن لے کر مڑی تو سفیان بھائی نے بڑی گرمجوشی سے ہاتھ ہلایا۔

وہ طمانیت سے گہرا سانس لے کر آپوں آپ مسکرائی۔ کیا نہیں تھا اس کے پاس۔

ذہانت، محبت، ایک مضبوط حیثیت۔ یہ چیزیں جس کے پاس ہوں، وہ خود کو ایک حکمران کی مانند محسوس کرتا ہے۔

اور انبساط کی اس وقت یہی کیفیت تھی۔

یہ اس کی زندگی کی ایک اور خوبصورت صبح تھی۔

اسے واثق یقین تھا کہ اس کی آنے والی تمام صبحیں ایسی ہی ہوں گی اور وہ یہ سمجھنے میں حق بجانب بھی تھی۔

☼ ☼ ☼

حویلی میں چہل پہل شروع ہو چکی تھی۔ سیف فجر کی نماز کے بعد ناشتہ کرنے کا عادی تھا۔ سیف اپنے معمول پہ کاربند تھا۔ آج بھی جب وہ [illegible] کے بعد حویلی واپس آیا تو زری ناشتہ [illegible] تھی۔ اماں جی صرف ایک کپ چائے [illegible] کے کمرے میں پہنچا دی جاتی۔ ویسے بھی وہ [illegible]

ورد کے عادی تھے اور چڑھتے سورج کے ساتھ ناشتہ [illegible] کرنے اور چلنے پھرنے سے مجبور تھیں۔ [illegible] دل و جان سے ان کی خدمت کرتی تھی۔

سیف تنہا ناشتے پہ اکیلا ہی ہوتا۔ یہ [illegible] وقت دور ہوتی جب اسماعیل اور جہانگیر بھائی اپنے بچوں اور بیویوں سمیت حویلی میں رونق افروز ہوتے۔ دونوں بھائی سرکاری ملازم تھے اس لیے سال میں تین چار بار ہی ادھر کا چکر لگاتے۔

سیف کی اپنی مصروفیات اور ذمہ داریاں تھیں جو اسے ادھر ادھر الجھائے رکھتے تھے جو اسے فارغ نہ بیٹھنے دیتے۔ وہ خود بھی سخت کوش تھا۔ ہر شام جب وہ حویلی کے مردانے میں چلا جاتا۔ ملاقاتی [illegible] وہ گھنٹہ اماں جی کے پاس ضرور بیٹھتا۔ [illegible] تو نہیں تھیں مگر سیف انہیں ماں [illegible] کی طرح عزت کرتا تھا۔

عشاء کی نماز کے بعد عادت کے مطابق [illegible] چہل قدمی کرتا اور پھر سو جاتا۔ صبح [illegible] زندگی شروع ہو جاتی۔ ایک جیسے [illegible] کیف راتیں تھیں۔ ایک [illegible] رواں دواں تھا۔

ترقی کی ترغیب ... قریب ہوا تو وہ شرمائی۔ سامنے سکھڑ اریزہ تھی جس کے چہرے میں اس کی شبیہ بھی واضح تھی۔

آنگن کے عام سے گملوں میں بلوں نرگس ہوئی خاص لگ رہی تھی اور محبت تو ویسے بھی عام سے بے مول کو بھی دو جہانی بخش دیتی ہے پھر زکیہ تو حسن و دلکشی کے خزانے سے مالا مال تھی۔ قدرت نے بھی بھر کے نوازا تھا۔

اور اب تو اس کا روپ وہ آتشہ تھا۔

☼ ☼ ☼

احتشام صاحب پورے ڈیڑھ ماہ بعد بزنس ٹور سے لوٹے تھے۔ انبساط ان کے پاس بیٹھی مصروفیات کے قصے سن رہی تھی۔

"تمہارے بنا آپ کو بہت مس کیا۔"

اس نے پیار بھرا شکوہ کیا تو احتشام صاحب نے بے اختیار اسے ساتھ لپٹا لیا۔ راضیہ کی وفات کے بعد وہ ویسے بھی بیٹی کے معاملے میں بہت حساس ہو گئے تھے اور اسے پہلے سے زیادہ چاہنے لگے تھے کیونکہ وہ ان کے خوابوں کی جیتی جاگتی تعبیر تھی۔ جب کوئی انبساط کی تعریف کرتا تو فخر سے ان کا سر بلند ہو جاتا۔ خود ان کے خواب تو ادھورے رہے تھے مگر وہ انبساط کی صورت میں اپنے خوابوں کو مجسم دیکھ رہے تھے۔

احتشام صاحب کے والدین دوران تعلیم ہی یکے بعد دیگرے وفات پا گئے تو گھر کی تمام تر ذمہ داریاں ان کے سر آ گئیں۔ بہنوں کی شادی کا مسئلہ، جہیز، ذات برادری بھائیوں کی تعلیم سب کی ذمہ داری ان پر تھی کیونکہ وہ سب سے بڑے تھے۔ مجبوراً دل پہ پتھر رکھ کر انہوں نے کالج کو خیر باد کہا اور نوکری کی تلاش شروع کر دی۔ حالانکہ ایک نامور ڈاکٹر بننا ان کی اولین خواہش تھی۔

پھر بتدریج ترقی کرتے ہوئے وہ آگے بڑھتے گئے اور ایک کامیاب بزنس مین کی صورت میں ابھرے۔ ان کی اس ترقی میں راضیہ کا بھی بڑا ہاتھ تھا کیونکہ اگر وہ

بہت احتیاط کرتے تھے۔ آہستہ آہستہ بزنس کی تمام ذمہ داریاں احتشام کے سپرد کرنے کے بعد انہوں نے بھی ان کے حوالے کر کے انہیں معتبر کر دیا۔ اب احتشام ان کے داماد تھے۔ ان کی فیکٹری اور شیئرز میں برابر کے حصہ دار۔ احتشام نے بھی پوری ایمانداری سے ان کے بزنس اور کام کو ترقی دی تھی۔

اب وہ دو بیٹوں اور ایک بیٹی کے باپ تھے۔

سفیان اور نعمان کو تعلیم سے زیادہ کاروبار سے دلچسپی تھی۔ لہٰذا پڑھائی ادھوری چھوڑ کر وہ ان کے بزنس میں ہاتھ بٹانے لگے۔

البتہ انبساط بہت ذہین تھی۔ چھوٹی سی عمر میں ہی اس کی ذہانت نمایاں تھی۔ تیرہ سال کی عمر میں میٹرک کا امتحان پورے اعزازات سمیت پاس کر کے صوبے بھر میں اول آئی۔

اب وہ یونیورسٹی کے پہلے سال میں تھی۔ یہاں بھی وہ اساتذہ اور اسٹوڈنٹس میں بے حد مقبول تھی۔

بولنے پہ آتی تو بڑوں بڑوں کے چھکے چھڑا دیتی۔ شاعری کرتی تو ایک احساس بولتا ہوا محسوس ہوتا۔ اس کے حلقہ احباب میں سنجیدہ اور ذہین افراد شامل تھے۔ اب ... سے اسے خدمت خلق کا شوق چرایا تو ... کی اور ... کرلی۔ اب اس کی دلچسپیوں کا دائرہ ... وسیع ہو گیا تھا۔

احتشام صاحب کو انبساط پہ فخر تھا۔ راضیہ کے انتقال کے بعد یہ انبساط ہی تھی جس نے خود کو مضبوط کرتے ہوئے ان کے ٹوٹے بکھرے وجود کو سہارا دیا اور دوبارہ زندگی کے دھارے میں شامل ہونے پہ آمادہ کیا۔

سفیان اور نعمان کی اپنی زندگی تھی۔ دونوں کی شادی ساتھ ہی ہوئی تھی۔ سفیان دو بچوں کا باپ تھا جبکہ نعمان کا آنگن فی الحال بچوں کی قلقاری سے محروم تھا۔

رہ گئی انبساط تو اس کے ارادے بڑے بلند تھے۔ عورتوں کے حقوق کے سلسلے میں فعال کردار ادا کرنا

چاہتی تھی۔ اپنی شاعری کو خاص و عام تک پہنچانا چاہتی تھی۔ احتشام صاحب نے اسے مرضی پہ چھوڑا ہوا تھا اور ابھی بھی اس پہ اپنی رائے نہیں ٹھونسی۔

☼ ☼ ☼

جب سے تم بچھڑے ہو مجھے شام کا منظر اچھا لگتا ہے
رگ رگ میں بھرا تیرے ہجر کا زہر اچھا لگتا ہے

پورے ہال میں انبساط کی آواز گونج رہی تھی۔

بلاول اس کے خوبصورت لہجے کے زیر و بم میں ڈوبا ہوا تھا۔

یہاں ایڈمیشن لیتے ہی وہ فوراً بلاول کی نظروں میں آگئی تھی۔ اس کی ذہانت، ٹھہر ٹھہر کر بولنے کی ادا اور اسی میں چھپی شاعری اور اس کا بے نیاز و پُراعتماد انداز بلاول کو کچھ سوچنے پہ مجبور کرنے لگا تھا۔

وہ یونیورسٹی کے زیر اہتمام ہونے والی بزم ادب میں اپنا کلام پیش کر رہی تھی۔

جلاوطنوں سے ہمارا کوئی یارانہ نہیں ہے
مگر تجھے [illegible] دشمنی میں وہ منظر اچھا لگتا ہے

"اچھا لگتا ہے، اچھا لگتا ہے۔" منچلوں کی ایک ٹولی نے خوشگوار [illegible] بلاول نے چونک کر ناپسندیدگی سے اپنے برابر بیٹھے لڑکوں کے اس گروپ کو دیکھا۔

"ہمیں آپ [illegible] اچھا لگتا ہے۔" ان میں سے ایک [illegible] بلاول اپنی سیٹ سے اٹھ کھڑا ہوا۔

ناصر نے اس کی یہ کیفیت دیکھی تو سمجھ گیا کہ وہ جھگڑا کرنے کے موڈ میں ہے کیونکہ اپنی جاگیرداری کے زعم میں وہ دوسروں [illegible] کی فکر میں رہتا تھا وہ شکر ہوا کہ انبساط کے مائیک کے سامنے سے ہٹتے ہی وہ لڑکے بھی اٹھ کر ہال سے باہر نکل گئے ورنہ بلاول کا ارادہ تو انہیں سبق سکھانے کا تھا۔

انبساط کے بارے میں اس کے دلی خیالات ناصر تک بھی پہنچ چکے تھے۔

انبساط باہر نکلی تو احسن بھی اس کے پیچھے لپکا تھا۔ یہ وہی تھا جو غزل کے ہر ہر شعر پہ "اچھا لگتا ہے" کہہ رہا تھا۔

"سنیے انبساط!" اس نے بڑے مہذب انداز میں اسے پکارا تو طویل کوریڈور کا موڑ مڑتے مڑتے وہ وہیں رک گئی۔

"جی فرمائیے۔" اس کی سوالیہ نگاہوں میں حیرت تھی۔ "آٹوگراف پلیز! مجھے آپ کی شاعری اچھی لگتی ہے۔" اس نے نوٹ بک کھول کر اس کے سامنے کر دی۔ انبساط نے سائن کر کے واپس کر دی اور دوبارہ چل پڑی۔ احسن پرسوچ نگاہوں سے اسے جاتا دیکھتا رہا۔

وہ یہ کہنے کی جرأت نہ کر سکا کہ آپ بھی مجھے اچھی لگنے لگی ہیں۔

وہ کراچی سے مائیگریٹ ہو کر آیا تھا۔ بس اوسط درجے کا طالب علم تھا۔ پڑھائی سے اسے خاص دلچسپی نہیں تھی۔ والد کی خواہش پہ بادل نخواستہ اس نے یونیورسٹی میں ایڈمیشن لیا تھا۔ اسے بھی انبساط اچھی لگنے لگی تھی۔ زیادہ تر لوگ انبساط کو اس کی ذہانت کی وجہ سے پسند کرتے تھے مگر احسن کو اس سب سے قطع نظر وہ کسی اور ہی انداز میں اچھی لگی تھی۔ سو وہ اور انبساط کلاس فیلو تھے۔ انبساط بھی خود میں اس کی دلچسپی محسوس کر چکی تھی مگر احسن کو ابھی تک اسے براہ راست کچھ کہنے کی ہمت نہیں ہوئی تھی کیونکہ انبساط کا بے پروا اور لیا دیا انداز اسے باز رکھے ہوئے تھا مگر وہ دل کا کیا کرتا جو روز بروز اسے بے قراری کی حدوں میں دھکیل رہا تھا۔ اس کی وارفتگی اور انہماک کو دیکھنے والے محسوس کر چکے تھے۔

یونیورسٹی کا پہلا سال حسب معمول انبساط کے لیے ڈھیروں کامیابیاں لایا۔ اس نے سابقہ ریکارڈ برقرار رکھتے ہوئے بہترین طالب کا اعزاز بھی حاصل کیا ادھر [illegible] میں بھی اسے خاص اہمیت حاصل ہو گئی تھی [illegible] جا رہی تھی۔

☼ ☼ ☼

لاہور سے احتشام صاحب کے دیرینہ اور پرسوں

انہیں سب سمجھتی ہوں۔ ایک ہی بیٹی کے باپ ہیں وہ اور والدین بیٹی کے بارے میں بڑے حساس ہوتے ہیں۔ وہ تمہیں خاص نظر سے دیکھ رہے تھے ہو نہ ہو وہ سوچ رہے ضرور۔ ویسے تم بھی اب شادی کروالو۔ اٹھائیس سال کے ہو رہے ہو اور ابھی تک کنوارے بیٹھے ہو۔ لوگ ہمیں ہی طعنہ دیتے ہیں کہ بھابھیوں کو دیور کا بالکل بھی خیال نہیں ہے۔"

صدیقہ بھابی کا انداز بڑا جارحانہ تھا۔

"کہو تو بات آگے بڑھاؤں؟" مشعل بھابی نے اسے مسکراتی نظروں سے دیکھا تو وہ "اُف" کہتا ہوا باہر نکل گیا۔

❁ ❁ ❁

"بس بھابی! میں نے بھی اسے خوب کھری کھری سنائیں کہ میرے لیے تم ہی رہ گئے ہو۔ ذلیل اور نالائق۔ بھلا انبساط احتشام ۔۔۔ احسن جیسے لڑکے کو پسند کر سکتی ہے۔ ہونہہ۔"

اس نے اپنی ستواں ناک سکوڑی۔ راحیلہ بھابی سے وہ ہر بات شیئر کرتی تھی۔ احسن والا قصہ بھی اس نے حرف بہ حرف راحیلہ بھابی کو کہہ سنایا تو اس کے ساتھ مل کر وہ خوب ہنسیں۔

"ہاں بھئی۔ ہماری پیاری سی انبساط کے لیے کوئی ٹکر کا لڑکا ہونا چاہیے۔ اسی کی طرح لائق فائق۔" انہوں نے بڑے ناز سے اسے دیکھتے ہوئے کہا جو وہ اندر تک سرشار ہو گئی پھر وہ انہیں یونیورسٹی کنووکیشن میں ہونے والے ہنگامے کے بارے میں بتانے لگی۔

❁ ❁ ❁

زینی عشاء کی نماز پڑھ کر اماں جی کے کمرے میں آگئی۔ ان کی طبیعت کچھ خراب تھی۔ زینی ان کا سر دبانے لگی۔

"اماں! اب آرام آیا کہ نہیں؟"

"بس پتر! ٹھیک ہے۔ تو بھی آرام کر۔ سارا دن کام

تھا بتا رہی ہے۔ مشعل بھابی ہوئی سیف کی بڑی تعریف کر رہا ہے۔"

"نہیں اماں! ایسا کوئی کام نہیں میں عادی ہوں، ویسے بھی فارغ بیٹھنا مجھے اچھا نہیں لگتا ہے۔" سیف کے نام پہ اس کی دھڑکن بے ربط سی ہو گئی۔

"ہاں بھئی! سیف بھی یہی کہتا ہے کہ اسے فارغ بیٹھنا اچھا نہیں لگتا۔ میری تو ایک نہیں سنتا ہے پر مشعل بیٹی نے بھی پکا انتظام کرنے کا ارادہ کر لیا ہے۔" اماں سیدھی ہو کر بیٹھ گئیں۔ لہجے میں دبا دبا سا جوش تھا۔

"کیسا انتظام اماں جی؟" وہ حیران سی ہوئی۔

"ارے بھئی۔ پچھلے مہینے حویلی میں سیف چوہدری کے مہمان آئے تھے۔ ان کی بیٹی ہے۔ مشعل کہہ رہی تھی اگر مجھے پسند آگئی تو میں بات آگے بڑھاؤں گی۔ وہ ان کے گھر جائے گی پھر مجھے بتائے گی۔ نہ جانے وہ دن کب آئے گا جب اس حویلی میں سیف کی دلہن آئے گی۔ بڑی مشکلیں دیکھی ہیں میرے پتر نے۔ میں چاہتی ہوں جلد از جلد سیف کی شادی ہو اور اس کا خیال رکھنے والی آئے تاکہ میں سکون سے مر تو سکوں۔"

ان کے لہجے میں یاسیت سی اتر آئی۔ اس سے زیادہ اداسی اور افسردگی زینی کی آنکھوں میں جیسے جم سی گئی تھی۔ وہ نیند آنے کا بہانہ کرکے اٹھ گئی۔ اپنے ہاتھ کی لکیروں کو بغور تکتے ہوئے اس کا ذہن کہیں اور ہی پہنچا ہوا تھا۔

"تو سیف چوہدری! تمہاری بھی شادی ہو گی۔ دلہن آئے گی۔ یہ تو ہونا ہی تھا۔ تم تو چاند ہو اور میں زمین پہ رہنے والی عام سی لڑکی۔ بھلا میں چاند کو کیسے چھو سکتی ہوں۔ ہاں مگر میرے لیے یہ احساس ہی کافی ہے کہ میں تمہیں چاہتی ہوں، محبت کرتی ہوں اور شاید کرتی ہی رہوں گی، تمہارے نہ ملنے کے باوجود بھی اس لیے کہ۔۔۔"

اس کی آنکھوں سے بے اختیار دو قطرے پھسل کر بے داغ شفاف رخساروں پہ پھیل گئے۔

بھابھی نے ہمدردی سے اسے دیکھا۔ دیبا بھابھی جو وہاں بیٹھی تھیں وہ بھی کہنے لگیں۔
"انبساط! تمہاری بھی کیا قسمت ہے۔ تمہارے لیے جس جاگیردار کا رشتہ آیا ہے وہ صرف میٹرک پاس ہے۔" انہوں نے حقیقی معنوں میں اس کے حواس گم کر دیے۔
"نہیں بھابھی! یہ نہیں ہو سکتا۔"
"ہمیں انبساط! ہمیں تو اتنا افسوس ہو رہا ہے۔ تم اتنی قابل، تعلیم یافتہ اور خوبصورت ہو۔ بلکہ وہ پسماندہ سے گاؤں کا باسی، محدود ذہن اور سوچ رکھنے والا۔ ایسے لوگ اپنی عورتوں کو دبا کر رکھتے ہیں۔ اپنی خواہشات کے غلام۔ انبساط! تمہاری ساری ذہانت اور تعلیم بے کار ہو جائے گی۔ تم بس ایک دیہاتی عورت ہو کر رہ جاؤ گی۔ بھلا کیا ہے... تمہارے مقابلے میں ایک جاہل دیہاتی ہو اور تم..."
"نہیں بھابھی! ایسا نہیں ہو گا۔" اس نے حتمی لہجے میں کہا۔
"پھر کیا کرو گی تم؟"
"میں انکار کر دوں گی۔"
"انکار! اس رشتے پر سب دل و جان سے راضی ہیں۔ تمہارے انکار کو کوئی نہیں مانے گا۔ تمہیں ڈالا جائے گا۔ تم کچھ نہیں کر سکتیں۔"
"میرے ساتھ زبردستی نہیں کریں گے۔"
"پتا نہیں کون سی دنیا میں رہتی ہو تم۔ اس سلسلے میں وہ ایک روایتی باپ ثابت ہو رہے ہیں۔ نعمان بتا رہے تھے کہ جلد ہی انکل ہاں کر کے منگنی کی تاریخ کا اعلان کریں گے۔"
"بھابھی پلیز بس کریں۔" وہ نڈھال سی ہو کر رونے لگی۔
دیبا اور راحیلہ نے معنی خیز نگاہوں سے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ انبساط چادر تان کر دوبارہ لیٹ چکی تھی۔ راحیلہ نے دیبا کو اشارہ کیا وہ دونوں آگے پیچھے باہر نکل گئیں۔

☆ ☆ ☆

لالہ رخ کی ہمت بے قرار تھیں۔ احتشام صاحب نے انہیں ہفتہ دس دن بعد حتمی جواب دینے کا کہا تھا مگر انہوں نے پچھلے دن ہی اسلام آباد جانے کا پروگرام بنا لیا۔ حدیقہ بھابھی ان کے ساتھ تھیں۔ لالہ رخ کو بس نہیں چل رہا تھا کہ فوراً انبساط کو دیکھ کر آئیں۔ اٹھتے بیٹھتے اس کا ذکر ہوتا۔ حدیقہ بھابھی نے توسیف کو لڑکی دکھانے کی آفر کی تھی لیکن اس نے معذرت کر لی۔
"بھابھی! مناسب نہیں لگتا ہے کہ میں منگنی یا شادی سے پہلے وہاں جاؤں۔ میرے اپنے اصول ہیں۔ آپ اتنی تعریفیں کر رہی ہیں لیکن ہو سکتا ہے میں اسے دیکھوں اور وہ مجھے پسند نہ آئے پھر میں انکار کروں اور آپ کو تو اچھا لگے گا نہیں۔"
"اچھا جی!" انہوں نے گود میں رکھا کشن اٹھا کر اسے دے مارا۔ "تمہاری پیاری لڑکی کو کوئی کافر ہی ہو گا جو انکار کی جرأت کرے۔ وہ تمہارے ساتھ بہت سوٹ کرے گی۔"
"بس بھابھی! جیسی بھی ہو میری مشکلات میں میرا ساتھ دے سکے۔ یہاں کی زندگی بڑی سخت ہے۔ ماحول میں فرق ہے۔ اسلام آباد اور نور گڑھ الگ الگ جگہیں ہیں۔ میں سادہ مزاج اور سخت زندگی کا عادی ہوں۔ مشکل سے مشکل حالات میں بھی گزارہ کر سکتا ہوں۔ میری زیادہ ڈیمانڈز نہیں ہیں۔ سوائے اس کے کہ وہ جو کوئی بھی ہو میری مشکلات کو سمجھے اور اس کے مطابق خود کو ڈھال لے۔ اس لڑکی کو میرے بارے میں میری اہلیت سے آگاہ کر دیں۔"
"کمال کرتے ہو سیف! احتشام انکل کو تمہارے بارے میں سب کچھ پتا ہے۔ تب ہی انہوں نے مثبت جواب دیا ہے۔ وہ تمہیں پسند کرتے ہیں اور سیف! تم میں وہ تمام خوبیاں موجود ہیں جو کسی بھی سمجھدار لڑکی کو امپریس کر سکتی ہیں۔ تم کیا کسی سے کم ہو بلکہ کبھی کبھی تو مجھے لگتا ہے کہ جیسے کوئی۔"
انہوں نے بات ادھوری چھوڑ دی پھر ایک دم کچھ یاد آ جانے پر بولیں۔ "پتا ہے زیبی کیا کہتی ہے۔"

"انجبلہ! سیدھے سیدھے بتا دو کہ تم یہ شادی کسی صورت نہیں کر سکتیں۔ تمہارے لیے اچھا سے اچھا رشتہ مل جائے گا۔ یہ کوئی دنیا کا آخری شخص نہیں ہے۔"

"تھینک یو بھابی! آپ نے مجھے بڑا حوصلہ دیا ہے۔"

وہ ان کے ہاتھ پکڑے پکڑے تشکرانہ انداز میں بولی تو ایک پراسرار سی مسکراہٹ نے ان کے لبوں کا احاطہ کر لیا۔

رات کو کھانے کی ٹیبل پہ سفیان بھائی نے انجبلہ کی منگنی کے انتظامات کے بارے میں بتانے لگے تو وہ تڑپ اٹھی۔

"میں یہ منگنی نہیں کروں گی۔" سفیان اور نعمان نے حیرانی سے اسے غور سے دیکھا۔

"انجبلہ! یہ وہ سیف... میرے چپ رہنے کا یہ مطلب نہیں ہے... تم اپنی مرضی چلانے لگو۔"

"بھیا یہ میری ساری زندگی ہے۔ یہ میرا حق ہے اور میں اسے استعمال کرنا چاہتی ہوں۔"

"ٹھیک ہے انجبلہ! تم اپنا حق استعمال کرو اگر تم میری بات نہیں مانو گی تو میری طرف سے تمہیں لفظی پیمنٹ تیرہ... سفیان اور نعمان کے نام ٹرانسفر ہو جائیں گے۔"

وہ بہت آرام سے بولے۔ سفیان اور نعمان نے آنکھوں آنکھوں میں ایک دوسرے کو کوئی اشارہ کیا۔ احتشام صاحب اپنی کرسی پیچھے گھسیٹ کر اٹھ گئے۔ انجبلہ نے بھی ان کی تقلید کی۔

اب سفیان نعمان اور ان کی بیویاں تھیں۔ چاروں آہستہ آہستہ باتیں کر رہے تھے۔

"سفیان! یہ آپ دونوں بھائیوں کے ساتھ زیادتی ہے۔ انجبلہ لاکھ بہن سہی مگر ففٹی پرسنٹ شیئرز اس کے نام مجھے یہ بات ہضم نہیں ہو رہی۔"

یہ راحیلہ بھابی تھیں۔ انجبلہ کی ہمدرد اور ہمراز۔

"اچھا ہے۔ وہ سیف کے رشتے سے انکار کر دے۔ ہمارے دل میں اس کی طرف سے میل آ جائے گا تو وہ اس کا حصہ بھی ہمارے نام کر دیں گے۔" یہ نعمان تھا۔ بہن کے ناز اٹھانے والا بھائی۔

احتشام صاحب نے ایک ماہ کے بجائے فوراً ہی منگنی کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ انجبلہ چپ چپ سی تھی۔ دل و دماغ میں ایک جنگ چھڑی ہوئی تھی۔ سوچ سوچ کر اس کی کنپٹیوں میں درد ہونے لگا تھا۔

دل و دماغ کی کشمکش کے بعد اس نے منگنی کی انگوٹھی پہن لی تھی اور اسی دن بابا کو تیسری بار ہارٹ اٹیک ہوا۔ آئی سی یو سے باہر نکلتے ڈاکٹر کا چہرہ دیکھ کر انجبلہ سمجھ گئی کہ بابا زندگی کی بازی ہار چکے ہیں۔ وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔ وہ بھی تو تھا وہ اس کے باپ تھے جس نے بیس سال تک اسے زندگی کے سرد و گرم سے بچا کر رکھا۔ اس کی ہر بات مانی، اس کے لاڈ اٹھائے۔ اسے سفیان اور نعمان پر اولیت دی۔ وہ گھنا سایہ یکلخت اس کے سر سے اٹھ گیا تھا۔

☼ ☼ ☼

احتشام کی شادی پریکٹیکل لائف میں داخل ہوتے ہی صالحہ بیگم سے ہوئی جنہوں نے یکے بعد دیگرے انہیں دو بیٹوں کا تحفہ دیا۔ سفیان آٹھ سال کا اور نعمان ساڑھے چھ سال کا تھا جب صالحہ بیگم کو کینسر جیسے لاعلاج مرض کا روگ لگا۔ چھ ماہ کے اندر اندر وہ کرواتی اجل سے جا ملیں۔

راضیہ احتشام صاحب کے بزنس پارٹنر کی بیٹی تھیں۔ صالحہ کے بعد ان کا گھر بکھر چکا تھا۔ راضیہ سے شادی کا فیصلہ ان کا ذاتی تھا جس پہ انہیں کبھی بھی پچھتاوا نہیں ہوا۔ راضیہ ان کی زندگی میں بڑی خوشگوار تبدیلی لے کر آئیں۔

سفیان اور نعمان کو انہوں نے حقیقی ماں جیسی محبت دی۔ احتشام کے بزنس کو ترقی دینے کے لیے ہر ممکن کوشش کی۔ ان کی ذمہ داریوں کو حتی الامکان بانٹنے کی سعی کی۔ یہی وجہ تھی کہ چند سال کے دوران ہی احتشام صاحب کا دم توڑتا کاروبار پھر سے چمک اٹھا۔ راضیہ نے اپنے حصے کا پیسہ بھی احتشام کے کاروبار میں

گھر میں اس کی شادی کی تیاری ہونے لگیں۔

انبساط کے دماغ میں کھچڑی سی پک رہی تھی۔ دل چاہ رہا تھا چپ چاپ گھر چھوڑ کر سبز پانی کے یہاں چلی جائے۔ وہ باہر نکلتیں تھیں۔ ممی نہ کہیں اسے سیٹ کر ہی دیتیں مگر سفیان اور نعمان بھائی اور باپ کی عزت کیا وہ انہیں رسوا کر سکتی ہے؟

وہ گویا اس وقت پل صراط پہ کھڑی تھی۔

☆ ☆ ☆

رات قطرہ قطرہ بھیگ رہی تھی۔

حویلی میں دن بھر جاری رہنے والا ہنگامہ آہستہ آہستہ دم توڑ رہا تھا۔ سارے لوگ تھک ہار کر سونے کی تیاری کر رہے تھے۔ دو دن بعد سیف کی بارات تھی۔

مہمانوں سے اس کے سارے مہمان رخصت ہوئے۔ وہ [illegible] کمرے میں چلا گیا۔ اسے سخت نیند آرہی [illegible] سونے کے بعد وہ سوتی [illegible] پھر سے بولنے [illegible] موبائل کھنکھنایا۔ سیف نے [illegible] موبائل آن کر کے کان سے لگایا۔

"السلام علیکم۔" [illegible] انداز میں بولا۔ دوسری طرف خاموشی طاری [illegible] کوئی آواز آئی اور دوسری طرف سے رابطہ منقطع کر دیا گیا۔

"کمال ہے۔ پتا نہیں کون ہے۔" نمبر اس کے لیے اجنبی تھا۔ جب دوبارہ کال آئی تو وہ بستر پہ لیٹ چکا تھا۔

انبساط نے سب کے سونے کے بعد اپنی دوست زویا کے موبائل سے سیف کو کال کی تھی کیونکہ اس کا موبائل خراب تھا اور گھر کے نمبر سے وہ بات نہیں کرنا چاہتی تھی۔ وہ رسک لینا اسے گوارا نہیں تھا۔

سب کے سوتے سوتے دو بج گئے۔ انتظار کے روح فرسا لمحات آخر کار ختم ہوئے۔ دھڑکتے دل کے ساتھ اس نے سفیان بھائی کی فون بک سے لیا ہوا چوہدری سیف کا نمبر ملایا۔ جونہی دوسری طرف سے سلام علیکم کی آواز آئی۔ اس نے گھبراہٹ میں فون بند کر دیا۔

کیسی گمبھیر سی آواز تھی۔ اس کی وحشت میں اضافہ ہو گیا۔

اس نے خود کو سنبھالتے ہوئے چوہدری سیف کا نمبر ملایا۔

وہی گمبھیر بارعب آواز سنائی دی تو وہ ساری ہمتیں مجتمع کرتے ہوئے بولی۔

"وعلیکم السلام۔ میں اسلام آباد سے انبساط بات کر رہی ہوں اور آپ؟"

اس نے تصدیق چاہی۔

دوسری طرف سیف کی ساری حسیات بیدار ہو گئیں۔ مشعل بھابھی نے اسے انبساط کی تصویر دکھائی تھی۔ وہ دو بار ان کے گھر گیا تھا لیکن انبساط سے اس کا سامنا نہیں ہوا تھا البتہ تصویر دیکھ کر اس کے دل میں خوشگوار سی ہلچل مچ گئی تھی۔

"میں سیف بات کر رہا ہوں۔ فرمائیے اس وقت کیسے فون کیا؟" اس نے بمشکل خود کو حیرت کا اظہار کرنے سے باز رکھا۔ انبساط کی آواز اسے روئی روئی اور خوفزدہ سی محسوس ہو رہی تھی۔

"سیف صاحب! میں چاہتی ہوں کہ آپ اس شادی سے انکار کر دیں۔" اس نے بڑے آرام سے کہہ دیا تو سیف کو اس کی دماغی حالت مشکوک سی لگی۔

"آپ کیا کہہ رہی ہیں۔ اپنے حواسوں میں تو ہیں؟ شادی میں ایک دن رہ گیا ہے محترمہ! سارے خاندان والے میرے گھر پہ جمع خوشیاں منا رہے ہیں۔ اماں جی کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہیں ہے۔ میں انہیں جیتے جی نہیں مار سکتا۔ آپ نے پہلے کیوں نہیں بتایا۔" نہ جانے کیوں اس کا لہجہ سخت ہو گیا۔

انبساط نے فون وہیں بیڈ پہ پھینک کر سر گھٹنوں میں دے لیا۔ سیف سے اس کی آخری امید وابستہ تھی۔ اس نے انکار کر کے وہ بھی ختم کر دی تھی۔

دوسری طرف سیف پریشان سا خود کو تسلی دینے کی کوشش کر رہا تھا کہ یہ سب مذاق ہے۔ کسی نے اس کے ساتھ شرارت کرنے کی کوشش کی ہے۔

کے ... [illegible] کرنا پڑے۔ وہ اسے بتادے گی کہ وہ اس کا آئیڈیل نہیں ہے۔ اس کی شادی زبردستی ہوئی ہے۔ وہ کوئی عام سی دیہاتی لڑکی نہیں ہے جو اس کے قدموں میں ڈھیر ہوجائے گی بلکہ اس کی اپنی ایک شخصیت ہے۔

اماں جی رات کو شرمندہ شرمندہ سی اس کے پاس آئیں۔

"بیٹی! اقرار احمد ... سیف پرسوں تک آئے گا۔ اصل میں اسرار ... وجہ سے وہ پریشان ہے۔ اس کا فون آیا تھا ... وہ اسے محبت یا ش ...

[illegible]

"بھائی! میں شام کو آجاؤں گا تب تک شاید اسرار کی طبیعت ٹھیک ہوجائے۔" اس نے سہولت سے ... کردیا۔

شاید اسرار کی زندگی باقی تھی یا پھر قدرت کو سیف کے خلوص اور پریشانی پر رحم آیا کہ شام سے پہلے پہلے اس کی حالت بتدریج خطرے سے باہر ہونے لگی۔ ... بجے تک اسے ہوش آگیا تھا۔

سیف اب قدرے پرسکون تھا۔

لطیف کو وہیں اسرار کے پاس چھوڑ کر سیف گاؤں کے لیے واپس روانہ ہوا۔ ان تین دنوں میں انجیلا کے بارے میں اسے موہوم سا خیال تو آیا تھا لیکن اسرار کی حالت زیادہ دیر اسے اس کیفیت میں نہیں رہنے دیتی تھی مگر اس وقت وہ پوری طرح انجیلا کے بارے میں فکرمند تھا۔

اس کی گاڑی جو نہی حویلی کے گیٹ سے اندر داخل ہوئی۔ صغریٰ نے شور مچادیا۔

"اماں جی! چھوٹے چوہدری صاحب آگئے ہیں۔"

اماں جی نے سکون کا سانس لیا۔ فوراً یہ اطلاع انجیلا کو پہنچائی گئی' وہ پریشان ہوگئی۔ تین دن سے وہ سکون میں تھی مگر اب سارا سکون رخصت ہورہا تھا۔

تین دن پہلے اس پہ شادی شدہ ہونے کا لیبل لگا تھا مگر اس نے اب تک سیف کی ایک جھلک تک نہیں دیکھی تھی۔ اب وہ لوٹ آیا تھا۔ جانے اب کیا ہوگا؟ کیا اس نے جو سوچ رکھا ہے' سب کچھ ویسا ہی ہوگا یا پھر جاگیردار سیف اپنی روایتی سوچ پر عمل کرے گا۔ انجیلا اس کی انا کو چیلنج کرنے جارہی تھی۔ کیا وہ یہ سب برداشت کرلے گا؟

وہ ان سوالوں کے مابین گھن چکر بنی ہوئی تھی۔ جب حدیقہ بھابھی نے آکر اسے کپڑے بدلنے کو کہا۔

"انجیلا! اچھے سے کپڑے پہن لو۔ میں تمہارا ذرا سا میک اپ کرتی ہوں۔ ابھی سیف آنے والا ہے۔ تمہاری تو شاید ابھی تک اس سے ملاقات ہی نہیں ہوئی ہے۔"

حدیقہ بھابھی شرارت سے بولیں تو نہ چاہتے ہوئے بھی وہ نروس ہوگئی۔

اس نے کپڑے بدل لیے تو حدیقہ نے بڑی مہارت سے اس کا میک اپ کیا۔

"اب تم بیٹھو میں سیف کو بھیجتی ہوں۔"

شادی کے ہنگامے اور بھاگ دوڑ نے سب کو تھکا دیا تھا' رات بہت جلدی سب سوگئے۔ صرف ایک زینی تھی جسے سکون نہیں مل رہا تھا۔ سیف عشاء کی نماز پڑھ کر فارغ ہوا تو زینی نے اس سے چائے کا پوچھا۔

"اس وقت نہیں پیوں گا۔ تمہاری باجی نے کھانا

کھلایا یا نہیں؟" وہ اس سے پوچھنے لگے۔ زینی نے
جیسے اثبات میں سر ہلایا۔
"میں اپنے کمرے میں جا رہا ہوں۔"
زینی باورچی خانے کے ٹھنڈے فرش پہ وہیں بیٹھ
گئی۔ آنسو اس کا چہرہ بھگو رہے تھے۔

۞ ۞ ۞

انبساط کی ہمت ہی نہیں ہو رہی تھی کہ نگاہ اٹھا کر
سامنے بیٹھے سیف کو دیکھے۔ وہ معذرت کر رہا تھا۔
"اصل میں، میں اپنے ملازم کی وجہ سے پریشان
تھا۔ آپ جو قدرے بہتر ہوا تو میں نے فوراً" واپسی کی راہ
لی۔ یقیناً آپ کو برا لگا ہوگا مگر آج تلافی کرنے کی
کوشش کروں گا۔ یہ چھوٹا سا تحفہ لیا تھا میں نے۔"
سیف نے سونے کا وہ خوبصورت سا بریسلٹ اس
کی طرف بڑھایا۔ تب انبساط نے پہلی بار نگاہ اٹھا کر
اسے دیکھا۔ سادہ اور جاذب سے نقوش والا کرنل
نوجوان اس کے سامنے تھا۔ چہرے پہ متانت اور
نگاہوں میں شرارت تھی۔ انداز میں ایک شوخ سی
جسارت کی جھلک صاف محسوس کی جا سکتی تھی۔ تب
اس کے اندر وہی پرانی انبساط بیدار ہوئی۔
"میں نے شادی سے پہلے آپ کو فون کیا تھا مگر آپ
نے میری بات سنی ہی نہیں۔"
"وہ سچ مچ آپ تھیں؟" سیف نے چونک کر
دیکھا۔
"ہاں میں ہی تھی، میرے بہت سے خواب ٹوٹ
گئے ہیں۔ میں ایک اعلا تعلیم یافتہ لڑکی ہوں۔ مجھے
اچھے سے اچھا لڑکا مل سکتا تھا۔ پر میرے پاپا بھی ضد
میں آ گئے۔ کہہ دیا کہ میری شادی بس آپ سے ہی
ہوگی۔ تعلیم یافتہ، سمجھدار اور ذہین لوگ میری کمزوری
ہیں۔ دیہاتی لوگ اور دیہاتی انداز مجھے پسند نہیں
ہیں۔ بس یوں سمجھ لیں کہ مجھے اس سارے سیٹ اپ
سے نفرت ہے۔ آپ میرا آئیڈیل نہیں ہیں اور بن
بھی نہیں سکتے۔ میری مرضی کے بغیر یہ شادی زبردستی
کی گئی ہے۔ مجھ سے زبردستی [illegible]
قبول کیا گیا ہے۔ مجھے اپنے حق کا اچھی طرح [illegible]
ہے اور میں نے آپ کو سب کچھ بتانے کی کوشش کی
تھی۔"
انبساط کے بے رحم لفظوں کی سنگ باری سیف
کے کومل جذبوں کو زخم زخم کر گئی۔ اس نے حوصلے
سے کام لیتے ہوئے ہونٹوں پہ مسکراہٹ سجائی اور بڑے
تحمل سے بولا۔
"آپ یہ سب کچھ سنجیدگی سے سوچ سمجھ کر کہہ
رہی ہیں۔"
"آپ کو ابھی تک یقین نہیں آیا؟" انبساط نے
محسوس انداز میں طنز کیا۔ اس کی کچھ دیر پہلے والی
گھبراہٹ ختم ہو چکی تھی۔ سیف کو شکست خوردہ
محسوس کر کے وہ مزید پر اعتماد ہو گئی تھی۔
"اب آپ مجھ سے کیا چاہتی ہیں؟" وہ کچھ
دیر بعد بولا۔
"میں جدید زمانے کی تعلیم یافتہ لڑکی ہوں۔ سکول
کالج اور یونیورسٹی میں میری ذہانت کی دھوم تھی۔ لوگوں
نے تو مجھے شیلڈز میرے نام کر دے۔ چونکہ میرے پاپا
کی خواہش تھی کہ میری شادی آپ سے ہی ہو، یہ
شادی ہو گئی لیکن جونہی حالات بہتر ہوئے میں
خود مختار زندگی گزارنا چاہوں گی کیونکہ یہاں کے
اوراول جلول سے لوگ مجھے پسند نہیں ہیں۔ میں اپنے
خوابوں کی تعبیر حاصل کر کے رہوں گی۔ میں نے
آپ کو ابھی بیوی نہیں سمجھا اور نہ ہی دل سے اس رشتے
کو قبول کیا ہے۔"
انبساط کا پُر غرور لہجہ سیف کو اور بھی ستا گیا۔
"بہت خوب! اب آپ یہ چاہتی ہیں کہ میں
آپ کو شریک حیات نہ سمجھوں۔ آپ جب
کھیل رہی ہیں۔ شادی کو آپ نے تماشا [illegible]
ہے۔ نکاح بچوں کا کھیل نہیں ہے۔ میں [illegible]
لوگوں کی موجودگی میں آپ کو بیاہ کر لایا [illegible]
فرما رہی ہیں کہ آپ خود کو میری بیوی [illegible]
اچھی طرح سوچ لیجیے میں آپ [illegible]

انبساط کو وہ اس وقت بادل رحمت کا فرشتہ لگ رہا تھا۔
تو حویلی پہنچنے کا وسیلہ باقی تھا۔

سیف بادل کے ساتھ فرنٹ سیٹ پہ تھا جبکہ وہ پیچھے تھی۔ بادل بیک مرر سے بار بار سیف کی نظر بچا کر انبساط کو دیکھ رہا تھا۔ انبساط جس کے بارے میں وہ بڑے مزے سے دوستوں کے درمیان بیٹھ کر کہا کرتا۔

"ایک دن اس حسین سرزمین کو فتح کر رہوں گا۔" سیف سے پہلے بھی اس کی نہیں بنتی تھی اب تو وہ اور بھی راہ کا کانٹا بنا تھا۔

* * *

رات کی سردی یا پھر موسم کی شدت کا اثر تھا کہ انبساط کی طبیعت بری طرح بگڑ گئی۔ بخار کے ساتھ کھانسی اور فلو نے زور پکڑا ہوا تھا۔ ڈاکٹر حبیب کو لطیف بلا لایا تھا۔

وہ صرف لیٹے لیٹے بستر پہ پڑی تھی۔ اماں جی حسب عادت پریشان ہو رہی تھیں۔

انبساط کے سر میں شدید درد ہو رہا تھا۔ زینی بستر پہ بیٹھی اپنے نرم ہاتھوں سے اس کا سر دبا رہی تھی۔ باہر جھم جھم بارش ہو رہی تھی۔ شام میں ہوا کی تواتر سے سرسراہٹ محسوس ہو رہی تھی۔ انبساط چائے کے ساتھ دو چار سوپ کی گولی کھا چکی تھی۔ کمرے میں ہیٹر چل رہا تھا۔

تب ہی سیف بھیگے کپڑوں کے ساتھ کمرے میں آیا۔

"زینی! جلدی سے میرے دوسرے کپڑے نکال دو۔" وہ اپنے جوتے اتارتے ہوئے بولا۔ زینی نے ایک منٹ ضائع کیے بغیر انبساط کا سر دبانا موقوف کر کے اس کے کپڑے نکال دیے اور اس کے گیلے کپڑے لے کر کمرے سے چلی گئی۔

شاید کچن میں اس کے لیے کھانا گرم کرنے گئی تھی۔ وہ بیڈ کے آگے فلور کشن پہ بیٹھ گیا۔

موسم دل میں ٹھنڈی ٹھنڈی سی آگ سلگانے لگا تھا۔ باہر قدرت اپنے رنگ دکھا رہی تھی اور یہاں اس

پہ حرارت نرم فضا میں ابھی کچھ دیر پہلے جب وہ داخل ہوا تھا تو انبساط اس اپنائیت بھرے ماحول کا ایک حصہ لگ رہی تھی لیکن اب وہ وہاں تکلف کے لیے میں خوف زدہ ہو چکی تھی۔ پاس پڑی شال اٹھا کر اپنے اوپر لپیٹ لی۔ یہ معصوم سی نرم سی لڑکی اگر مہربان ہو جاتی تو زندگی کتنی حسین لگتی۔

زینی کھانا لے آئی۔ سیف نے برتن لے کر دروازہ بند کر دیا۔ انبساط کی حیران و بے اختیار نظروں نے اسے بڑا لطف دیا۔

"میں آج اپنے کمرے میں سوؤں گی۔" جانے کیوں اس کا دل شرارت پہ آیا ہوا تھا۔

"ہماری حویلی میں بارش کی عاشق روحوں کا بسیرا ہے۔ بادل چھاتے ہی وہ گھومنے لگتی ہیں۔" وہ اسے ڈرانے لگا۔

"جی نہیں، آپ جھوٹ بول رہے ہیں۔"

"مجھے جھوٹ بولنے کی کیا ضرورت ہے، ابھی خود پتا چل جائے گا۔ دس تو بج ہی چکے ہیں۔ ذرا دیر ہونے دو اور گزرنے دیں پھر وہ آپ کے کمرے سمیت پورے گھر میں چہل قدمی کریں گی۔ ایک جن بھی ہے جو اس حویلی کی خوبصورت سی پری پہ عاشق ہو گیا ہے۔"

سیف کی آنکھوں میں جذبے لو دینے لگے تھے۔ انبساط بری طرح ڈر گئی۔

یہ کمرا تھا بھی الگ تھلگ اور پرسکون سا، اسی لیے سیف نے اسے اپنی رہائش کے لیے چنا تھا۔ اتنا بڑا کمرا اور اس بارانی موسم میں وہ اکیلی۔ سیف جانے کے لیے اٹھا تو وہ کہنے لگی۔

"میں سارا دن سوئی رہتی ہوں۔ اب کہاں نیند آئے گی۔ آپ بستر پہ سو جائیں۔" عام حالات میں وہ ہرگز ایسی آفر نہ کرتی۔

وہ واپس پلٹ آیا۔ "سوچ لیں میں مرد ہوں، کسی وقت بھی نیت خراب ہو سکتی ہے۔"

"اُف۔" سیف کی بے باک سچائی اسے عرق آلود کر گئی۔

"آپ ڈریں مت۔ میں مذاق کر رہا تھا۔" وہ باہر

نکل گئی۔

وہ کمبل دوبارہ اوڑھ کر لیٹ گئی۔ رات بھر بار بار اس کی نیند ٹوٹتی رہی۔ بارش کی چھنک بھی خوف دور کرنے میں ناکام ثابت ہو رہی تھی۔

صبح تک بارش کا سلسلہ جاری رہا۔ وہ کسلمندی سے بستر میں ہی پڑی رہی۔ سنبھلی تو سیف بیمار پڑ گیا۔ بارش اس کی طبیعت کو بھی بھیگنا رنگ لے آیا تھا۔ اماں جی نماز کے لیے اٹھیں تو سیف کو دوسرے کمرے میں سب سے پہلے دیکھ کر کھٹک گئیں۔ بخار کی حدت سے اس کا پورا وجود تپ رہا تھا۔ اماں جی کو زندگی میں پہلی بار انبساط پہ شدید غصہ آیا۔

"بھلا ایسی کیا بات ہو گئی ہے جو سیف یہاں سویا ہوا ہے اور بیوی کو پروا ہی نہیں۔"

سیف کو اٹھا کر بمشکل تمام انہوں نے اسے اپنے کمرے میں چلنے کو کہا۔

"تم یہاں لیٹو میں ابھی انبساط سے پوچھتی ہوں۔ کیا تم دونوں میں ناراضی ہو گئی ہے۔" سیف کوئی جواب دینے کی پوزیشن میں نہیں تھا۔

"مجبوری! سیف چپ بیمار پڑا ہوا ہے۔ اگر میں نہ دیکھتی تو پتا ہی نہ چلتا مجھے۔ جاؤ اس کے پاس اور کمرا ادھر تک لے کے اپنے جھگڑے اور ناراضیاں اپنے کمرے تک ہی رکھو۔" ان کا لہجہ سخت اور دو ٹوک تھا۔ انبساط کوئی جواب دینا چاہ رہی تھی مگر سیف کی بات یاد آ گئی کہ اگر اس گھر میں رہنا ہے تو اماں جی کے سامنے میرا بھرم رکھنا ہو گا۔

ناچار اسے اماں کی ہدایات پہ عمل کرنا پڑا۔

"وہ تمہارے سر کا سائیں ہے۔ اس کی ہر ضرورت کا خیال رکھنا تمہارا فرض ہے۔ اب یخنی اسے دوائی کھلانی ابھی ہے لی۔ یہ کام تمہیں خود کرنا ہو گا۔ اٹھو پانی کا گلاس اور گولیاں دو سیف کو۔" وہ میکانکی انداز میں حکم پورا کر رہی تھی۔

"شوہر ہے تمہارا، اچھوت نہیں ہے۔" وہ لڑک

تھا۔

کافی دیر وہ وہیں رہیں۔ ان کے حکم پہ انبساط کو سیف کا سر بھی دبانا پڑا۔ در حقیقت سیف کے سامنے اپنی اس درگت پہ اسے رونا آ رہا تھا۔ نہ وہ بیمار پڑتا نہ اماں اس کی کلاس لیتیں۔ ایک نہ ایک دن تو یہ راز کھلنا ہی تھا کہ ان کے تعلقات وہ نہیں ہیں جو سب سوچتے ہیں۔

"سیف پتر! تم ادھر ہی آرام کرو اور زری تم جا کر یخنی اس کے لیے بنا لاؤ۔ اور بہو! تم سیف کا خیال رکھو۔"

اماں جی ڈھیروں احکامات دینے کے بعد اٹھیں تو انبساط کو وقت کاٹنا عذاب لگنے لگا۔ سیف اس کی طرف سے کروٹ بدلے جاگ رہا تھا۔ انبساط کا ریشمی دوپٹہ اس کے تکیے کے پاس پڑا ہوا ایک مانوس سا احساس دلا رہا تھا۔

وہ کروٹ لے کر اس کی طرف مڑا تو اسے بیٹھا پایا۔

"انبساط! پانی اور دوا دے دیں۔" وہ اس کا دوپٹہ ہاتھ پہ لپیٹ رہا تھا۔ اس نے ذرا کی ذرا نظریں اٹھا کر سیف کی طرف دیکھا۔ ان نگاہوں میں واضح بیزاری لکھی ہوئی تھی۔ وہ ہر کام میکانکی انداز میں کسی جذبے کے بغیر کر رہی تھی۔ سیف کا دل بجھ سا گیا۔ ابھی کچھ دیر پیشتر جب اماں کی موجودگی میں وہ اس کا سر دبا رہی تھی تو وہ کیسے لطیف احساسات سے دوچار تھا۔ اب بھی چاہ رہا تھا کہ انبساط کے نازک ہاتھوں کو اپنے ہونٹوں کا لمس بخش دے پھر دیکھے وہ کیا کرتی ہے۔ اسے اچھا لگتا ہے یا برا۔ وہ اس سے پوچھے

"تم میرا اور کتنا امتحان لو گی؟ کب میری آزمائش ختم ہو گی۔ کیا ہمیشہ ایسے اجنبی ہی رہو گی؟ پاس ہو کر دور۔ مکمل طور پہ اپنی قربت کا احساس دلاؤ نا، ترساؤ مت۔"

انبساط نے پانی کا گلاس اس کی طرف بڑھایا۔ سیف نے بنا سوچے سمجھے اس کی کلائی تھام لی۔

سے گلاس لے کر پانی پی کر رکھ دیا۔ یہ حرکت غیر ارادی طور پر ہوئی تھی اور وہ گلاس چھوڑ کر وہ رحمت کی آنکھوں میں غصہ دیکھ رہا تھا۔

وحشت ناک سوچیں بے قرار دل کو اور بھی بے چین کرنے لگیں تو سیف گھبرا گیا۔

اس نے کمبل ہٹایا اور جانے کے لیے اٹھا۔ یہاں رہتا تو شاید جذبات کے منہ زور ریلے میں بہہ جاتا۔ اپنے کردار کی مضبوطی پہ اسے ناز تھا۔ یہ نازک وہ وہ اس کا امتحان لینے پہ تلا ہوا تھا اسے پورا تو اترنا تھا۔

☆ ☆ ☆

سیف کے بڑے نواز کی بیٹی کی شادی تھی۔ وہ ساتھ والے گاؤں شاہ نگر کے زمیندار تھے۔

سیف کے دونوں بڑے بھائی شادی سے ایک ہفتے پہلے ہی شاہ نگر پہنچ چکے تھے۔ زیبی کو حویلی سے خاص طور پر بلوایا گیا تھا۔ بڑی بہو والی نے کہا تھا زیبی لڑکیوں کی نگرانی کرے۔ اس کے لیے انہوں نے اماں جی اور سیف سے اجازت لے لی تھی۔ وہ بھی بلائی گئی تھی۔ انبساط نے بطور خاص اس کے لیے سوٹ سلوایا تھا۔ میچنگ چوڑیاں اور دیگر لوازمات اس کے ساتھ تھے۔ تیار ہو کر زیبی جب اس کے سامنے گئی تو ایک لمحے کے لیے انبساط بھی اسے دیکھتی رہ گئی۔ فیروزی شیفون کے سوٹ کی کٹنگ والی قمیص ستھرے کام سمیت اس کی رعنائیوں کو چھپانے میں ناکام ثابت ہو رہی تھی۔ زرقون کے نگوں والا سیٹ پہنے وہ قیامت لگ رہی تھی۔ لگ ہی نہیں رہا تھا کہ وہ حویلی میں کام کرنے والی عام سی لڑکی ہے۔

انبساط نے اس کا ہلکا سا میک اپ بھی کر دیا تو حسن دو آتشہ ہو گیا۔

"آپ جلدی نکلیں' چوہدری صاحب کہہ رہے ہیں۔" زیبی نے تیسری بار آ کر سیف کا پیغام دیا۔

"تم چل کر بیٹھو میں ابھی آ رہی ہوں۔" اسے باہر روانہ کر کے وہ اطمینان سے بالوں میں برش کرنے لگی۔ وہ جان بوجھ کر دیر لگا رہی تھی۔ کھڑکی کا پردہ تھوڑا سا کھسکا کر اس نے گاڑی کی سمت دیکھا۔ زیبی اندر بیٹھی تھی جبکہ سیف باہر ٹہلتے ہوئے سگریٹ پی رہا تھا۔ انبساط کو آتا دیکھ کر اس نے جلتے ہوئے سگریٹ مسل دیا۔ زیبی کے برعکس وہ خود انتہائی سادہ کپڑوں میں تھی جو موسم کے حساب سے تھے۔ مارچ کا وسط چل رہا تھا۔ اس نے کاسنی کڑھی آدھے بازوؤں والی قمیص ساتھ چوڑی دار پاجامہ اور دو رنگ کا دوپٹہ جس پہ کاسنی رنگ کا چوڑا سا اندار پھیلا ہوا تھا۔ پاؤں میں ہلکے میرون رنگ کا کھسہ۔ ہاتھوں میں کانچ کی چوڑیاں گلے میں ہلکا سا لاکٹ اور کان میں بالیاں یہ تھی اس کی تیاری۔ سیف نے گاڑی میں بیٹھتے ہوئے اسے گہری نگاہ سے دیکھا۔

"اپنے ساتھ اتنی کنجوسی؟" اس کا انداز عام سا تھا لہجہ غیر معمولی سا تھا۔

"زیبی! تم آج بہت اچھی لگ رہی ہو' اپنی نظر اتروا لینا۔" وہ سیف کو سنانے کے لیے قصداً ذرا اونچی آواز میں بولی تو زیبی شرما گئی۔

انبساط باہر کے نظاروں میں گم تھی۔ سیف نے کیسٹ پلیئر آن کر دیا۔

بے قراری کیوں ہو رہی ہے
کہنا چاہوں میں سن لے کوئی ذرا

"تو جاگیردار صاحب موسیقی کے ذریعے زیبی کو حال دل سنا رہے ہیں۔" اس نے تلخی سے سوچا۔

دیتا ہے دل یہ دل کو واسطہ
دیکھو نہ دل سے بھلانا

انبساط نے باری باری زیبی اور سیف کو دیکھا۔ دونوں معمول کے مطابق نارمل لگ رہے تھے اپنی ناکامی پہ وہ جھنجلا سی گئی۔

جیسے ہی وہ شاہ نگر کی حدود میں داخل ہوئے دور سے ہی جگمگ کرتی حویلی نظر آ گئی۔ حویلی کے مرکزی گیٹ پہ چند مرد کھڑے تھے۔ بڑی رونق سی لگی ہوئی تھی۔ سیف گاڑی بند کر کے ان کے ساتھ ہی اتر گیا۔ بلاول لپک کر آگے بڑھا اور اس سے بغل گیر ہوا' پھر

الگ ہوتے ہی انبساط کی طرف [illegible]
آنکھوں میں ایک مخصوص چمک لیے ادھر ہوئی۔
"آپ تو یونیورسٹی کے [illegible] ہو گئیں شاید ادھر
[illegible] پہچانتی ہے بولا۔
آنٹی جی۔" وہ [illegible] "یار سیف! تمہاری قسمت اچھی ہے کہ آنٹی اتنا
تعلیم یافتہ [illegible] لڑکی نہیں ملی ہے۔ پڑھے لکھوں کو تو
تعلیم یافتہ لڑکیاں ملتی ہی نہیں ہیں۔ ایک تم ہو کہ"
اس نے ٹھنڈی سانس بھرتے ہوئے سیف کو
حسرت زدہ انداز میں دیکھا تو اس کے چہرے کا رنگ بدل
گیا۔
"تم دونوں اندر جاؤ۔ تائی کے پاس۔" سیف نے
خود پر قابو پایا تھا۔
"سیف! تم سے ایک شکایت ہے۔" انہیں ہمارے
گھر آئے ابھی [illegible] نہیں ہوا۔" بلاول نے شکوہ کیا۔
انبساط کو اپنی تعریف بہت اچھی لگی۔ ساتھ ہی سیف
بلاول کا طرز [illegible] سا لگا تھا۔ اس کی روح تک
شانت ہو گئی۔ سیف کا سرخ پڑتا چہرا اسے مزا دے
گیا۔
وہ اندر زنان خانے کی طرف بڑھ گئی۔ اور وہاں ایک
الگ سے گوشے میں بیٹھ گئی۔ بلاول اسے ڈھونڈتا ہوا
سیدھا ادھر ہی آ گیا۔
"آپ یہاں چھپ کر بیٹھی ہیں۔ میں آپ کو وہاں
ڈھونڈ رہا تھا۔"
انبساط خوش ہو گئی۔ بلاول نے یونیورسٹی کے قصے
چھیڑ دیے۔ پھر اس نے جو باتوں کا سلسلہ شروع کیا تو وہ
اس کی گفتگو کے سحر میں ڈوبتی چلی گئی۔ بلاول کو لڑکیوں
سے بات کرنے کا طریقہ آتا تھا۔ اس نے انبساط کی
سادگی کو سراہا اور آج کی محفل میں اسے سب سے
ممتاز قرار دیا تو وہ پھول کی طرح کھل اٹھی۔
یونیورسٹی کے زمانے میں اگر وہ یہ بات کہتا تو انبساط
یقیناً اس کی عزت افزائی کر دیتی مگر اب حالات مختلف
تھے اس کے دھیرے سے مسکرانے پہ بلاول نے شعر
پڑھا۔
بھولے سے مسکرا تو دیے تھے وہ آج فیض

بھی یار [illegible] ہیں سب وہاں سے [illegible]
جانے کی جرأت ہوئی تھی۔
"تمہیں انبساط! کل ضرور آئیے گا میں انتظار
کروں گی۔ عرصہ دراز کے بعد کوئی ہم مزاج ملا ہے
سیف تو ہم سے ملنا پسند ہی نہیں کرتا۔" [illegible]
چبھن لیے ہوئے تھا۔
اس سے پہلے کہ وہ کوئی جواب دیتی کہ سیف کی
طرف سے واپسی کا بلاوا آ گیا۔
بادل نخواستہ وہ اٹھ گئی۔
ملازمہ کی ہمراہی میں وہ گاڑی کی جانب [illegible]
ٹھٹھک گئی کیونکہ سیف کے ساتھ اگلی سیٹ پر
نوجوان لڑکا اور پیچھے ڈاکٹر نادیہ براجمان تھی [illegible]
رہا تھا۔ وہ تینوں کافی دیر سے [illegible] بیٹھے ہوئے تھے [illegible]
کے آنے کے بعد گفتگو کا سلسلہ رک گیا۔ انبساط
سے تو وہ اپنی بیماری کے دوران مل چکی تھی لیکن
اس کے لیے اجنبی تھا۔
ڈاکٹر نادیہ نے خوش دلی سے اس کے سلام کا جواب
دیا۔ وہ پیچھے ہی بیٹھ گئی۔
"انبساط! یہ ملک افتخار صاحب کی [illegible]
ڈاکٹر نادیہ" ساتھ والے گاؤں میں ان کا [illegible]
ہے۔ ہمارے گاؤں کے لوگ ایمرجنسی میں ان کا [illegible]
ہاسپٹل کا رخ کرتے ہیں۔ میں سوچ رہی ہوں [illegible]
پارٹ ٹائم [illegible] کے ہاسپٹل میں بھی آنے [illegible]
کر لوں اور یہ نادیہ کے چھوٹے بھائی [illegible]
نے حیران حیران سی انبساط کا ان سے [illegible]
تعارف کرایا۔
"اصل میں ہماری گاڑی خراب ہو گئی [illegible]
لیے سیف بھائی سے [illegible]
انبساط کو بتایا۔
"میں بھی اسلام آباد [illegible]
مشاعرے میں آپ کو سن چکا ہوں [illegible]
کرتی ہیں آپ۔ آپ کا [illegible]
تھیں اخبار میں۔ میں تو آپ [illegible]

صاف گوئی سے بولا۔

انبساط کو وہ ست چپ لگ گئی۔

"سیف بھی کچھ کم نہیں ہیں۔ ملکوں اور چوہدریوں کے مابین نسل در نسل چلتی دشمنی ان ہی کی کوششوں سے ختم ہوئی ہے۔" نادیہ نے عمر کو پیچھے ٹوکا۔

اترتے ہوئے ان دونوں نے سیف کا شکریہ ادا کیا تو انبساط نے بڑی گرم جوشی سے نادیہ سے ہاتھ ملایا۔

انبساط کی آنکھیں نیند سے بند ہو رہی تھیں۔ اسے بڑی طرح تھکن ہو رہی تھی۔ اس نے آرام سے سر سیٹ کی بیک سے ٹکا دیا۔ باہر مکمل طور پہ اندھیرا تھا۔ کہیں کہیں سے کتوں کے بھونکنے کی آواز آ رہی تھی۔

نادیہ کے گاؤں سے دور گھر بالکل مخالف سمت میں تھا۔ سیف کنویں والے ڈیرے کے پاس سے گزر رہا تھا جب سیاہ ڈھاٹا پوش ریوالور لہراتے ہوئے اچانک گاڑی کے سامنے آ گئے۔ ایک ساتھ گولے پہیوں کو نشانہ بنایا۔ خاموش فضا تڑتڑاہٹ سے گونج اٹھی۔ ونڈ اسکرین کا شیشہ چھناکے سے ٹوٹا۔ سیف بروقت نیچے ہوا ورنہ گولی اسے ہی لگتی۔ اس نے جھٹکے سے اپنا ریوالور نکالا اور ہاتھ سیدھا کرتے ہوئے لگاتار فائر کیے۔ جب بچاؤ کیا تو وہ دونوں ڈھاٹا پوش فرار ہو گئے۔

سیف نیچے آیا۔ مارے خوف کے انبساط پہ لرزہ طاری تھا۔

سیف پچھلی سیٹ کی طرف آیا جوں ہی اس نے پچھلا دروازہ کھولا۔ انبساط چیخیں مارتی اس سے آن لپٹی۔ یہ عمل بالکل غیر شعوری تھا۔ سیف نے اس کا شانہ تھپتھپایا۔

"کچھ نہیں ہوا ہے۔ سب ٹھیک ہے۔" وہ اپنی تکلیف ضبط کرتے ہوئے پرسکون انداز میں گویا ہوا۔ اس کی گردن اور رخسار پہ ونڈ اسکرین کے شیشے لگے تھے جن سے خون مسلسل بہہ رہا تھا۔ صد شکر کہ انبساط پچھلی سیٹ پہ تھی۔ وہ بالکل محفوظ رہی تھی۔

"میں پیچھے نہیں بیٹھوں گی۔" اس نے سیف کا بازو پکڑ لیا۔ وہ ابھی تک خوف زدہ تھی۔

"ایک سیکنڈ میں ذرا دیکھوں گاڑی اسٹارٹ ہوتی ہے یا نہیں۔" سیف نے نرمی سے اسے پیچھے ہٹایا۔

"مجھے ڈر لگ رہا ہے۔" وہ منمنائی۔ فائرنگ کی دہشت ابھی تک دل میں تھی۔

"کچھ نہیں ہوتا، جا چکے ہیں وہ۔"

سیف نے اپنا بازو اس سے چھڑانا چاہا۔ اسی کشمکش میں انبساط کا ہاتھ اس کی گردن پہ لگا تو اسے اپنے ہاتھ کی انگلیاں گیلی گیلی سی محسوس ہوئیں۔ اس کو احساس ہوا کہ یہ نمی خون کی ہے۔

"آپ کو گولی لگی ہے؟" وہ سیف کے دائیں پہلو کے ساتھ کھڑی پوری جان سے کانپ رہی تھی۔

"نہیں۔" وہ مختصراً جواب دے کر گاڑی اسٹارٹ کرنے کی کوششیں کرنے لگا۔ خوش قسمتی سے ٹائر پنکچر نہیں ہوئے تھے۔ تیسری کوشش میں انجن غرایا اور گاڑی اسٹارٹ ہو گئی۔ رات سوا ایک بجے کے قریب وہ گھر پہنچے۔

زینی حسب عادت جاگ رہی تھی۔ روشنی میں سیف کا حلیہ واضح تھا۔ دایاں کندھا، گردن اور رخسار خون سے رنگین تھے۔ اس کے دل کو کچھ ہوا۔ کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کیا کرے۔ خود انبساط اتنا خون دیکھ کر خوف زدہ ہو گئی۔ اس کی قمیص پہ بھی سیف کے خون کے داغ تھے۔ ونڈ اسکرین کی کرچیاں جلد کے اندر تک اتر گئی تھیں پر سیف نے ایک بار بھی تکلیف کا اظہار نہیں کیا تھا۔

"زینی! اس وقت کسی کو مت جگانا۔ سب پریشان ہوں گے۔ تم بس اتنی مہربانی کرو کہ پانی گرم کر کے لے آؤ۔ ساتھ ٹنکچر آیوڈین اور صاف روئی بھی لے آنا۔ صبح دیکھا جائے گا۔" وہ لاپروائی سے کہہ کر قمیص اتارنے لگا۔ انبساط ابھی تک نظر چرا کے دیکھے جا رہی تھی۔

"آپ تو بہت زخمی ہیں۔" وہ فطری ہمدردی کے زیر اثر تھی۔

سیف نے گردن گھما کر اسے دیکھا۔ "یہ زخم اور خون میرے لیے خوش قسمتی ہے۔ میں ساری تکلیف

"بھول چکا ہوں۔"
حقیقت انبساط کو یوں پریشان دیکھ کر اسے خوشی
ہوئی تھی۔ اس کے بائیں بازو اور کندھے پہ انبساط کا
لمس ابھی تازہ تھا۔
والے مبہم نگاہوں سے بھٹکنے لگی جیسے اس کی جیج
انداز پہ شب ہوا۔

⁂

سیف اپنے ایک کیس کے سلسلے میں لاہور گیا ہوا
تھا۔ وہ تین دن بعد آنے کا کہہ کر گیا تھا۔ تب اچانک بغیر
حسب معمول بلاول حویلی چلا آیا۔ شام کا وقت تھا انبساط
ٹی وی دیکھ رہی تھی۔ زیبی اس کو وہیں لے آئی۔ بلاول
کی آمد کسی کو گراں نہیں تھی۔ اس نے
چھوٹتے ہی سیف کا پوچھا۔
"لاہور گئے ہیں تین چار روز کے لیے۔"
"ہی چلا گیا ہو گا کوئی کام ہے؟" اس نے تصدیق
چاہی۔
"ہاں!" وہ بولا۔
"ذرا آنکھیں اور کان کھلے رکھا کرو انبساط۔"
ایک دم وہ بے تکلفی پہ اتر آیا۔ "جانتا ہوں میں
اس کے سارے کاموں کو۔ کہیں رنگ رلیاں منا رہا
ہو گا۔ ادھر گھر میں چلتی پھرتی زیبی نام کی قیامت پال
رکھی ہے اور ادھر گاؤں میں بے سہارا عورتوں کے نام
کے نام پہ عیاشی کر رہا ہے۔ تمہارے گھر والوں نے کیا
دیکھ کر شادی کی تھی؟"
بلاول نے اس کی دکھتی رگ پہ ہاتھ رکھ دیا تو وہ بلبلا
اٹھی۔
"سچ انبساط! میں حال دل کہنے کا سوچتا رہ گیا اور
سیف تمہیں لے اڑا۔ کتنا بد قسمت ہوں میں۔"
زیبی کے اندر آنے پہ وہ خاموش ہو گیا۔ ادھر انبساط
اس کی باتوں پہ غور کر رہی تھی۔ بلاول کا اظہار محبت یا
پھر اظہار شکست اسے اچھا لگا تھا۔
زیبی اور سیف کے تعلق کا اسے یقین ہو گیا تھا۔ مگر
زیبی کو بلاول کی آمد اچھی نہیں لگی۔ اس کی برے کی

طرح چبھتی نگاہوں سے اسے شدید نفرت تھی۔

⁂

وہ برآمدے میں کرسی ڈالے بظاہر میگزین پڑھنے
میں مگن تھی لیکن اس کی ساری توجہ گیٹ سے ہٹ کر
اندر والے راستے کی طرف تھی۔ بڑے گیٹ سے
داخل ہوتے ہی مردان خانہ تھا پھر حویلی کا اندرونی
راستہ تھا۔ وہ ایسی جگہ بیٹھی تھی کہ اندر داخل ہونے
والے کی نظر اس پہ پڑے۔ اس کا انتظار ختم ہو گیا۔
چرچراہٹ کی آواز کے ساتھ دروازہ کھلا اور تھکا تھکا
سیف داخل ہوا۔ حسب معمول زیبی کہیں سے
اچانک نمودار ہوئی۔
"چوہدری جی! آپ آ گئے۔" ہلکی سی آواز اس کی
سماعت سے ٹکرائی۔ دور ہونے کی وجہ سے وہاں سے
تاثرات واضح طور پہ نہ دیکھ سکی لیکن مدھم مدھم
آوازیں ضرور آ رہی تھیں۔ اس نے کرسی سیدھی
کر لی۔ زیبی پھر بھاگی بھاگی آ رہی تھی جس طرح
پاؤں کی پائل بج رہی تھی اور کانوں کے آویزے
ہلکورے لے رہے تھے۔ گھنگھروؤں والا پراندہ الگ
چھن چھن کر رہا تھا۔
"آپ کے لیے کون سے کپڑے نکالوں جی؟"
چھوٹی چھوٹی سانسوں کے ساتھ سیف سے پوچھ رہی
تھی۔
"جو دل چاہے نکال دو میں ابھی آ رہا ہوں پہ
نہاؤں گا پھر چائے پیوں گا۔"
"او ہو! یہاں تو کپڑے بھی زیبی کی پسند کے پہنے
جاتے ہیں۔" اس نے طنز سے سوچا۔
سیف کے اٹھ کر جانے کے بعد وہ پھر انتظار کرنے
لگی۔ یہ حویلی کا وسیع و عریض صحن تھا۔ ہر طرح
طرح کے درخت اور پودے لگے ہوئے تھے۔
سبزہ اور ٹھنڈک تھی۔ موسم بدل چکا تھا اس لیے
اکثر بیٹھی چائے پیتا اور سبز موسم کی ساری خوشبو
اپنے اندر اتارتا۔
شام ڈھل رہی تھی۔ پھولوں کی خوشبو ہوا

سی تھی۔

"میں یہیں سوؤں گی۔"

"مگر میری بات یاد رکھنا کہ لالی جی کو پتا نہیں چلنا چاہیے۔" اس نے انگلی اٹھا کر وارننگ دی۔ وہ سر ہلا کر رہ گئی۔ اس کے جانے کے بعد وہ الٹی گنتے بیٹھ گئی۔

☆ ☆ ☆

انبساط نے اپنے کمرے کا دروازہ بند کرلیا' لائٹ پہلے ہی آف تھی۔ زلیخا سارے دروازے لاک کر کے اپنے کمرے میں جا چکی تھی۔ ورنہ دو گھنٹے گزر چکے تھے۔ ساڑھے بارہ بجے کا وقت تھا۔ جب رات کے سناٹے میں ہلکی سی آواز آئی جیسے کسی کمرے کا دروازہ کھلا ہو پھر دبے قدموں چلنے کی آواز آئی۔ انبساط کی سماعت [illegible] اس نے زیرو پاور کا بلب بھی آف [illegible] دروازے کے ساتھ کھڑی وہ باہر چلتے قدموں کی [illegible]

یقیناً [illegible] اس کی آنکھیں چمک اٹھیں۔ یقیناً یہ زلیخا ہی تھی [illegible] تو کئی رات کو میدان صاف ہونے کا انتظار [illegible] سیف سے آزادی حاصل کرنے [illegible] اگر وہ طلاق مانگتی تو ساری عمر [illegible] صبر میں کمی [illegible] کبھی وہ [illegible] سیف کی [illegible] ثابت ہو جاتی تو وہ [illegible] ہو جاتی۔

اس نے سرہانے پڑا دوپٹہ اٹھا کر کندھے پہ ڈالا اور جوتے پہنے بغیر بے آواز طریقے سے دروازہ کھولا۔ پوری حویلی خاموشی اور اندھیرے میں ڈوبی ہوئی تھی۔ دبے قدموں چوروں کی طرح اس نے چھت پہ جانے والی سیڑھیوں پہ قدم رکھا۔

سانس روکے دھڑکتے دل کے ساتھ اس نے ایک ایک کر کے سیڑھیاں طے کیں۔ تاریک رات میں کچھ نظر نہیں آ رہا تھا۔ جب تک اس کی آنکھیں اندھیرے سے مانوس نہ ہوئیں' وہ دم سادھے وہیں کھڑی رہی۔ وہ سیج جو [illegible] چارپائی بچھی ہوئی مدھم سائے کی مانند نظر آ رہی تھی۔ سارے خوشی کے اس کا دل تیز تیز دھڑکنے لگا۔ ابھی کچھ ہی دیر کی بات تھی وہ رنگے ہاتھوں پکڑی جاتی۔ وہ چارپائی کے پاس پہنچی مگر یہ کیا چارپائی خالی تھی اور چادر بے شکن۔ سوچتی نگاہوں سے اس نے دائیں طرف بنے اسٹور روم کی طرف دیکھا۔

"دونوں میری توقع سے زیادہ تیز ہیں۔" زہرخند سی ہو کر اس نے اسٹور روم کا رخ کیا۔ ابھی اس نے دو قدم ہی اٹھائے تھے کہ مضبوط بازوؤں نے اسے اپنی آہنی گرفت میں دبوچ لیا۔

"کون ہو تم؟" ایک سرد سی آواز اس کی سماعت سے ٹکرائی تو ادھوری چیخ اس کے لبوں سے نکلی۔ سیف نے فوراً ہی اسے چھوڑ دیا۔

سیف کو نیند نہیں آ رہی تھی۔ کچھ دیر پہلے ہی وہ زمینوں سے واپس آیا تھا۔ جس دن سے اسرار کو گولی لگی تھی تب سے وہ پانی کی باری پہ خود وہاں موجود ہوتا تاکہ کوئی نیا جھگڑا نہ ہو۔ آج بھی وہ ادھر ہی تھا۔ ابھی چند لمحے پیشتر وہ منڈیر کی دیوار کے ساتھ سگریٹ پی رہا تھا۔ جب اسے احساس ہوا کہ کوئی اور یہاں موجود ہے۔ ایک ہیولہ سا اسے چارپائی کے پاس نظر آیا تو جلتی سگریٹ مسل کر وہ لمحوں میں اس کے سر پہ جا پہنچا۔ ویار اس پہ اچانک حملہ ہو چکا تھا۔

دبے قدموں سیف نے پیچھے سے اسے جکڑا تو احساس ہوا کہ یہ تو نرم و نازک سا نسوانی وجود ہے جو اس کی گرفت میں مچل مچل کر رہائی کی جدوجہد کر رہا تھا۔ لمحوں میں اندازہ ہو گیا یہ انبساط ہے۔ ایک لمحے کے لیے دل میں خوش فہمی نے سر اٹھایا۔ ادھر وہ بری طرح لرز رہی تھی۔ دل ابھی تک قابو میں نہیں آ رہا تھا۔ ہڈیاں تو جیسے کڑکڑا کر رہ گئی تھیں۔ کتنی آہنی گرفت تھی سیف کی۔ انبساط کا دم گھٹ کر رہ گیا۔

سیف حیران نگاہوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ انبساط سے جواب ہی نہیں بن پا رہا تھا۔

"مجھے نیند نہیں آ رہی تھی۔ سوچا ذرا اوپر جا کر ٹہل

[illegible] تو کرتے۔

مشعل [illegible] دکھ اور نفرت سے بھرا ہوا تھا۔

"بھابھی! آپ اتنی پیاری ہیں پھر وہ دوسری عورتوں کے پاس کیوں جاتے ہیں۔ آپ اپنا حق استعمال کرتے انھیں روکیں نا۔"

انھوں نے انبساط کی طرف ایسی نظروں سے دیکھا جیسے وہ بہت بیوقوف ہو۔

"میری بساط ہی کیا ہے جو اپنا حق استعمال کروں۔ اسماعیل کو حق مانگنے والی برابری کا دعوا کرنے والی عورت سے نفرت ہے۔ وہ تو میری تعلیم سے بھی جلتا ہے' اپنے آگے کسی کا چراغ جلتا اسے گوارا نہیں ہے۔" مشعل بھابھی کے زخم نئے سرے سے لو دے اٹھے تو وہ دوبارہ رونے لگیں۔

"بھابھی پلیز' مت روئیں۔" سیف منت سے بولا۔

"تم بہت [illegible] ہو انبساط [illegible] سیف اپنے دونوں بھائیوں سے بالکل مختلف ہے۔ جب [illegible] فوت ہوئے تو سیف [illegible] جب کسی [illegible] سے بے مہار ہو جاتے ہیں لیکن اس [illegible] ہر طرح کی خرافات سے [illegible] بخوبی [illegible] انجینئر [illegible] حاصل کرنے کا بے انتہا شوق تھا [illegible] تم آنکھیں بند کر کے اس کے کردار پہ یقین کر سکتی ہو۔ یہ بہت محبت کرنے والا ہے۔ اپنے اصولوں میں سخت اور عورت کا مرتبہ پہچاننے والا۔ اس نے آج تک گھر کے ملازموں کو نہیں ڈانٹا۔ اماں جی اس کی سگی ماں نہیں ہیں' پر یہ انھیں سگی ماں سے زیادہ احترام دیتا ہے۔ میں تمہیں اس کی کون کون سی خوبی بتاؤں۔"

مشعل بھابھی کے لہجے میں سیف کے لیے محبت کا سمندر ٹھاٹھیں مار رہا تھا۔

جبکہ ادھر حیران سی انبساط یقین ہی نہیں کر پا رہی تھی کہ اسماعیل بھائی جو دیکھنے میں مہذب' نفیس' بااخلاق نظر آتے ہیں' ایسے بھی ہو سکتے ہیں۔

☆ ☆ ☆

اگلی صبح زینی غائب تھی۔ وہ اپنے کمرے میں بھی نہیں تھی۔ گھر کے کونے کونے میں اسے دیکھ لیا گیا لیکن اسے نہ ملنا تھا' نہ ملی۔ سیف اور اماں جی کی پریشانی دیدنی تھی۔ انبساط بیدار ہوئی تو اسے زینی کی گمشدگی کا پتہ چلا۔ سر پکڑے سیف اور اس کے ساتھ متفکر سی اماں جی بھی تھیں۔ صغریٰ کا چہرہ الگ اترا ہوا تھا۔

"چلی گئی ہوگی کسی کے ساتھ۔ آپ سب خوامخواہ اس نوکرانی کے لیے پریشان ہو رہے ہیں۔" چائے پیتے ہوئے وہ اتنے اطمینان و سکون سے بولی جیسے وہ انسان نہ ہو' کسی کتے بلی کا بچہ ہو۔

سیف کی آنکھیں غصے سے دہک اٹھیں۔ "وہ خود سے کہیں نہیں گئی ہے بلکہ اغوا ہوئی ہے وہ۔"

وہ پہلی بار اس سے تلخ و تند لہجے میں بات کر رہا تھا۔ صغریٰ اور اماں جی کے سامنے اسے بے حد توہین کا احساس ہوا۔ وہ تن فن کرتی وہاں سے اٹھ کر چلی گئی۔ اماں جی کو بھی انبساط کا لہجہ پسند نہیں آیا تھا۔ وہ "مصلحتاً" خاموش رہی تھیں۔

سیف کو اب احساس ہو رہا تھا کہ انبساط درحقیقت ایک خود پسند لڑکی ہے۔ عام انسان اسے کیڑے مکوڑے لگتے ہیں۔ زینی والا معاملہ ایسا تھا جسے آسانی سے نظرانداز نہیں کیا جا سکتا تھا۔ سیف پہلے اپنے طور پہ کچھ کرنا چاہتا تھا پھر صغریٰ نے اسے چونکا دینے والی بات بتائی۔ کل وہ اور زینی شاہ نگر میں بڑی حویلی گئی تھیں۔ بڑے چوہدری صاحب کے پوتے کا عقیقہ تھا۔ چوہدرانی نے بلوایا تھا۔ انبساط بھی گئی تھی اور جلدی لوٹ آئی تھی۔ لیکن زینی اور صغریٰ رات کو آئی تھیں۔ صغریٰ نے سیف کو بتایا کہ بلاول نے زینی کو الگ لے جا کر کوئی بات کی تھی' زینی واپس آئی تو بہت غصے میں تھی اور بڑبڑا رہی تھی پھر جب لطیف ان دونوں کو لینے آیا تو بلاول نے زینی سے کہا۔

"بہت جلد تمہارا حساب برابر کروں گا۔" جواب

تھوکا تو اس کے

منہ اس نے بلاول کی طرف نفرت سے
چہرے کے تاثرات غضبناک ہو گئے۔

"مجھے جلدی کچھ کرنا ہو گا' ورنہ بلاول اپنے مکروہ
عزائم میں کامیاب ہو جائے گا۔"

سب کچھ جاننے کے بعد سیف کافی بے چین لگ
رہا تھا۔ اس نے صرف لطیف کو ساتھ لیا تھا کیونکہ
اسے پتہ تھا کہ اس وقت بلاول کہاں ہو گا۔

☼ ☼ ☼

زینی سہمی ہوئی چڑیا کی مانند قالین پہ پڑی بلاول کی
طرف کھینچی نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔

"میں نے کہا تھا نا' میرے سامنے انکار مت کرنا۔
میں ناں کا لفظ سننا پسند نہیں کرتا۔ تم نے میری طرف
منہ کر کے تھوکا۔ بہت اونچا اڑ رہی ہو۔ سارے کس
بل نکال دوں گا۔" بلاول نے پوری قوت سے اُلٹے
ہاتھ کا تھپڑ اس کے منہ پہ رسید کیا۔

"یونیورسٹی سے اس لیے یہاں آیا تھا کہ تر و تازہ
چہرے دیکھنے کو ملیں گے۔ کوئی دل بہلانے کا سامان
ہو گا۔ میں انبساط عالم کو پھنسانے کی سوچتا ہی رہ گیا اور
اسے یہ سیف لے اڑا۔ سیف کے بجائے اگر اس کی
شادی کسی اور سے ہوتی تو میں برداشت کر لیتا۔ ہر جگہ
سیف سے ہارنا کیوں میرے مقدر میں لکھا ہے۔ وہ
کیوں مجھ سے بازی لے جاتا ہے۔ تم میرے دل کو بھا
گئی ہو اور تم بھی اسی کے گن گاتی ہو' اس کی پارسائی
کی تعریف کرتی ہو۔ ہاہاہاہا۔۔۔ آج سیف کو میں شکست
سے دوچار کروں گا کیونکہ چھوٹی حویلی کا تم اہم پرزہ
ہو۔"

بلاول نے زینی کا دوپٹہ پکڑ کر کھینچا اور گولہ سا بنا کر
دور پھینک دیا۔

"کتنی دفعہ کہا اس سے' میرے ساتھ آ' دنیا دکھاؤں
گا۔ سیما باجی کی شادی میں نیلم کا خاص الخاص آئٹم
تک نہیں دیکھا۔ کمینہ شادی سے پہلے بھی نہیں مانتا
تھا' اب تو اور بھی سخت ہو گیا ہے۔ اعلا باکردار کہیں کا۔
کتنا سمجھانے کی کوشش کی میں نے کہ پڑھی لکھی

پوری دنیا کیوں میں نے ٹھیک کہا ہے نا! انبساط
نہیں ہے۔ کیوں میں نے ٹھیک کہا ہے نا! انبساط
عالم نے جب ایف ایس سی میں ٹاپ کیا تھا تو اخبار میں
اس کی تصویر دیکھی تھی' تب سے دل مچلا تھا اسے
حاصل کرنے کو۔ اب تو وہ جاگیر دار صاحب کی جاگیر بن
گئی ہے۔ تمہارے بعد اس کا نمبر ہے۔ تو تو ادھر
آ۔"

بلاول وحشی تیوروں سمیت اس کی طرف بڑھ رہا
تھا۔ زینی اٹھ کر بھاگی اور بلاول اسے محظوظ ہونے والی
نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

تب ہی ایک دھماکے سے دروازہ کھلا اور غیظ میں
بھرا سیف لطیف کے ساتھ اندر داخل ہوا۔

"میں تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گا۔" لطیف
سیف سے پہلے بلاول کی طرف جھپٹا۔

"میری عزت کی طرف اس نے غلط نظروں سے
دیکھا۔"

"پیچھے ہٹو لطیف۔!" سیف اپنا ریوالور نکال چکا تھا۔
بلاول کے کارندے بھی کم نہیں تھے۔ ماکھا اور افضل
دوڑتے ہوئے اسی طرف آ رہے تھے۔

"چوہدری سیف۔! ریوالور پھینک دو۔" ماکھا اسے
کینہ توز نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔

"اسے اپنا شوق پورا کرنے دو' یہ بے چارا یہاں
مرنے کے لیے آیا ہے۔" بلاول اس کی طرف
تمسخرانہ نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔

سیف نتائج کی پروا کیے بغیر بلاول پہ پل پڑا۔ اس
کش مکش میں اس کا ریوالور چھوٹ کر نیچے گر گیا۔
ادھر بلاول سیف کا گھونسہ کھا کر بپھر گیا۔ ماکھا اس کے
ایما پہ ریوالور سیدھا کر چکا تھا۔

ٹھائیں ٹھائیں کی آوازوں کے ساتھ دو انگارے
سیف کی پشت اور پسلیوں سے نیچے اتر گئے۔ زینی
ہسٹریائی انداز میں چیخ رہی تھی' اسے اپنے اوپر قابو
نہیں رہا تھا۔ لطیف گم صم سا کھڑا تھا۔

بڑے چوہدری نواز کو اس سانحے کی خبر ہو چکی تھی
پھر چھوٹی حویلی سے سیف کے جانثار بھی ادھر پہنچ چکے

تھے۔ بلاول نے ایک طور سے سیف کو جان سے مارنے کی کوشش کی تھی۔ اس کا حاسدانہ مزاج اسے چین سے بیٹھنے نہیں دیتا تھا۔

زینی ننگے پیر قدموں سے واپس پہنچی تھی۔ صحرا کی سی ویرانی اس کی گہری آنکھوں میں ٹھہری تھی۔ اس کی عزت بچانے کے چکر میں سیف اپنی زندگی داؤ پر لگا چکا تھا۔

وہ اس وقت لاہور میں جہانگیر بھائی کے ذاتی کلینک میں بے ہوش پڑا ہوا زندگی سے لمحہ لمحہ دور ہوتا جا رہا تھا۔ اماں جی کا بس نہیں چل رہا تھا کہ اپنی زندگی بھی اسے دے دیتیں۔ ان کا چہرہ ململ لٹھے کی مانند سفید تھا اور انگلیاں تسبیح کے دانوں پہ گردش کر رہی تھیں۔

وہ سب امید و بیم کی کیفیت میں تھے۔ زینی بھی ہاسپٹل میں تھی۔ صدمے نے اس کا دماغ ماؤف کر دیا تھا۔ اغوا والا واقعہ ہی اسے زندہ درگور کرنے کے لیے کافی تھا۔ سیف کو اس کی وجہ سے گولیاں لگی تھیں۔

وہ سب سیف کی زندگی کی دعا مانگ رہے تھے۔ انہیں آج پتا چلا کہ سیف ان سب کے لیے کتنا اہم تھا۔ لاکھ وہ سیف سے بیزار تھی مگر اس وقت اسے بے پایاں دکھ ہو رہا تھا کہ اس کا دل جیسے پارہ پارہ ہو چلا تھا۔ گو بلاول کی حقیقت بھی تو سامنے آئی تھی۔

سیف کے پیٹ میں موت کی زہریلی گولیاں اتری ہوئی تھیں۔ فوری طور پہ آپریشن کر کے گولیاں نکال لی گئی تھیں پھر بھی ابھی وہ خطرے سے باہر نہیں تھا۔

چوتھے دن اس کی حالت خطرے سے باہر تھی۔ اماں جی اور مشعل بھابھی کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

حدیقہ بھابھی نے اسی وقت گھر جا کر سیف کے نام کا بکرا صدقہ دیا۔ زینی تو گویا پھر سے جی اٹھی۔ سیف کو دیکھنے کی تڑپ اتنی شدید تھی کہ وہ اپنی ساری کمزوری بھول گئی۔ اماں جی اس وقت سیف کے سرہانے بیٹھی ہوئی ہوئے اس کا سر دبا رہی تھیں۔ جب زینی جھجکتے ہوئے اندر داخل ہوئی۔ لطیف بھی وہیں موجود تھا۔ زینی رونے لگی تو اماں جی اور لطیف نے اسے بمشکل تمام چپ کروایا۔

"تمہیں پتہ ہے، سیف چاچو اب بالکل ٹھیک ہے۔"

"ہاں زینی! اب وہ ٹھیک کر رہی ہیں۔ چھوٹے چوہدری صاحب ٹھیک ہو جائیں تو میں پھر ان لوگوں کا اسٹن، جنہوں نے تمہاری طرف نظر اٹھا کے دیکھا۔" لطیف جارحانہ تیوروں کے ساتھ بولا۔

سیف تکیے کے ساتھ ٹیک لگا کر اٹھ بیٹھا اور لطیف کو اپنے پاس بلایا۔

"لطیف! بدلے کا خیال ذہن سے نکال دو کیونکہ جرگے نے بلاول کو جو لعنت و ملامت کی ہے جو سزا اسے دی ہے، وہ اس کے لیے کافی ہے۔ پلیز دیکھیں تو میں بلاول کو اپنے معاملے میں معاف کرتا ہوں۔ اللہ کے فضل سے میری زندگی باقی تھی۔ سوچ لیا ہوں، جزا و سزا کا اختیار اللہ پہ چھوڑتا ہوں۔ اس نے خود سب کے سامنے معافی مانگی ہے۔ جہانگیر بھائی بتا رہے تھے۔"

سیف رسان سے آہستہ آہستہ اسے سمجھاتے ہوئے بولا۔

"تم یہ مت سمجھنا کہ میں زینی کو یا تمہیں کمتر سمجھتا ہوں۔ ایسی کوئی بات نہیں ہے، زینی کی عزت بھی محترم ہے۔ شکر کرو عزت پہ آنچ نہیں آئی ورنہ میں بلاول کو اپنے ہاتھ سے سزا دیتا۔ جتنی گرد اڑاؤ گے وہ سب اپنے اوپر ہی آئے گی۔ یہ معاملہ ختم ہو چکا ہے۔ بار بار یاد مت کرو اور مجھے ہاسپٹل سے ڈسچارج کروا دو پھر تمہیں پکا پانڈے کا بندوبست کرتا ہوں۔"

سیف ماحول کی تلخی دور کرنے کے لیے لطیف کو چھیڑنے لگا۔

✿ ✿ ✿

سیف ہاسپٹل سے گھر منتقل ہو چکا تھا۔

زینی مستقبل کے بارے میں فکرمند تھی کیونکہ اس کا اغوا معمولی واقعہ نہیں تھا۔ اسے یوں لگتا جیسے سب اسی کے بارے میں باتیں کر رہے ہوں، اس کا مذاق اڑا رہے ہوں۔ وہ تو بالکل گم صم ہو گئی تھی۔ زیادہ تر وقت وہ کمرے میں ہی پڑی رہتی۔ سیف کا

سامنا کرنے کی پہلے کی طرح اس میں ہمت ہی نہیں رہی تھی پھر لطیف کے سوالوں نے تو اس کے اعصاب کو توڑ پھوڑ کر رکھ دیا تھا۔

"زینی اتنا تیرے ساتھ اس کتے نے کوئی بدتمیزی تو نہیں کی۔ تیرا دامن تو صاف ہے نا؟ تو پہلے جیسی ہے نا؟"

اس کے تندرست ہوتے ہی لطیف نے اس سے پوچھا تھا۔ وہ اس کا منگیتر تھا۔ جب وہ اس کے ساتھ حویلی میں آئی تھی تو یہاں آنے کے چند ماہ بعد ہی اماں اور سیف کی خواہش پہ اس کی اور لطیف کی منگنی کردی گئی تھی۔ لطیف اس کے گاؤں کا رہائشی تھا سیف کا خاص نوکر۔ زینی کو چپکے چپکے اس نے دل میں بسا لیا تھا۔ زینی کے خوابوں پہ سیف کی اجارہ داری تھی۔ زینی کی محبت سچی کھری اور خالص تھی۔ وہ یہ سوچ کر ہی خوش ہوتی رہتی کہ وہ سیف کو چاہتی ہے۔ سیف اسے بے شک نہ چاہے۔

سیف نے اس کی خاطر ایک عام سی لڑکی کی خاطر اپنی جان خطرے میں ڈالی۔ موت کی سرحدوں کو چھوا جو اس بات کی دلیل تھی کہ سیف کے نزدیک اس کی عزت بھی اوروں کی طرح عزیز ہے۔

زینی شروع سے آگاہ تھی کہ سیف اس کی رسائی سے دور ہے۔ اس کی شادی کے بعد اس نے دل کو بہلانا چاہا تھا۔ انبساط کا جو رویہ سیف کے ساتھ تھا، وہ اس کی حساس فطرت کی وجہ سے فوراً اس کی نگاہ میں آیا تھا۔ اسے خوش ہونا چاہیے تھا مگر وہ اداس ہو جاتی اور دعا کرتی کہ سیف کو شادی کے حوالے سے ساری خوشیاں ملیں، انبساط اس کی قدر کرنا سیکھ جائے۔ اسے اچانک ہی احساس ہوا تھا کہ جہاں محبت ہوتی ہے، وہاں حسد نہیں ہوتا ہے اور جہاں حسد ہوتا ہے، وہاں سے محبت اپنے پر سمیٹ کر انجان وسعتوں میں گم ہو جاتی ہے۔

سیف اب جلد از جلد زینی اور لطیف کے مستقبل کے بارے میں کوئی اہم فیصلہ کرنا چاہتا تھا۔ لطیف کا سرد اور جامد رویہ اسے انجانے سے خدشات میں مبتلا کر رہا تھا۔

پھر سیف نے لطیف کو بلوا کر شادی کی تاریخ طے کرنے کے بارے میں پوچھا۔

"چوہدری صاحب! میں فی الحال اس بارے میں کچھ سوچنا نہیں چاہتا۔"

اس نے نہ اقرار کیا تھا نہ انکار۔ لطیف کا کنبہ بہت مختصر سا تھا۔ ماں باپ مر چکے تھے، صرف ایک بوڑھا چچا تھا جو زندگی کے دن گن رہا تھا پھر بھی لطیف سوچتا دنیا والے کیا کہیں گے۔ اس نے ایک اغوا شدہ لڑکی کو بیوی بنا لیا ہے، سب کچھ جانتے بوجھتے ہوئے بھی۔ وہ کیسے سر اٹھا کر چلے گا؟ اس کے دوست ہنسیں گے، مذاق اڑائیں گے اور کیا وہ خود زینی کو پہلے کی طرح چاہ سکے گا؟ وہ اتنا ظرف والا نہیں تھا، سب کچھ جانتے بوجھتے زینی کو اپنی عزت بنا لے۔

اماں جی لطیف کے مبہم انکار کے بعد فکر مند تھیں۔

"سیف پتر! اب کیا ہوگا۔ لطیف کی نیت ٹھیک نہیں لگتی۔" انبساط بھی وہیں بیٹھی ہوئی تھی۔ اسے سیف والے حادثے کے بعد زینی اور لطیف کی منگنی کے بارے میں علم ہوا تھا۔

"اماں! کچھ نہ کچھ کرنا ہی پڑے گا۔"

"کیا کرو گے تم؟"

"میں خود زینی سے شادی کروں گا۔" اس نے جیسے دھماکہ کیا تھا۔

"وہ ہماری حویلی سے اغوا ہوئی ہے اماں! اور میں اسے اس حویلی کی ہی عزت بناؤں گا۔" سیف کا لہجہ بہت مضبوط تھا۔

تب انبساط کو ادراک ہوا۔ ہاں وہ ایک ثانیے میں ہی اپنے دل کے راز تک پہنچ گئی تھی۔

اس ایک لمحے میں پہلی بار اسے سیف سے محبت کا ادراک ہوا۔ سیف کی محبت جب اس کے ہاتھوں سے نکل رہی تھی، تب اسے یہ آگہی ملی کہ اس کے اپنے ہی اصول و نظریات کے پرخچے اڑ رہے تھے۔

زنی سے شادی کی بات کرکے اس نے انجبلا کی اندر کی عورت کو جگا دیا تھا۔ اسے اس کی حیثیت یاد کروا دی تھی۔ سیف 'زنی' کو اس کے برابر لا رہا تھا۔ سیف کا نام اسے ڈس رہا تھا۔

"کیا تھا سیف؟ اتنا اعلا ظرف' اتنا حساس۔ ایک ملازمہ کے لیے بھی اتنا مخلص کیا تھا وہ؟"

تمام اعلا تعلیم یافتہ مہذب افراد اس کی نگاہوں کے آگے پھرنے لگے۔ جن کے ساتھ اس کا براہ راست تعلق تھا۔ اسماعیل اور بلال اس کے معیار کے تھے۔ ان کے مقابلے میں سیف ایک کم پڑھا لکھا مرد تھا مگر انجبلا نے ان دونوں سے اس کا موازنہ کیا تو وہ اسے ان دونوں سے بہتر لگا۔ صرف اس کی تعلیم ہی تو کم تھی [illegible] وہ [illegible] اور [illegible] سمجھتی ہے۔ وہ اس کے ساتھ عزت و احترام سے پیش آ رہا ہے۔ وہ اس کی تعلیم اور قبولیت کی قدر کر رہا ہے۔ اس کے کردار اور اعلا ظرف ہونے کے لیے یہی کافی تھا کہ وہ [illegible] اس کے قریب نہیں آیا تھا۔

زنی شانہ رو رہی تھی۔

"اف تمہیں نہیں [illegible] ہو سکتا۔" اسے بے حد اذیت کا احساس ہوا۔

"میں آپ کے قابل نہیں ہوں۔" اس نے اذیت سے آنکھیں بند کرلیں۔

زنی جیسی ایماندار لڑکی کے لیے یہ تصور ہی سوہان روح تھا کہ فرشتوں جیسا سیف اس کے ساتھ منسوب ہو۔

"تبھی یہ تمہیں ہو گا۔" وہ اپنے ہاتھ کی لکیروں کو غور سے دیکھ رہی تھی اور ہونٹوں پہ مبہم سی راز بھری مسکراہٹ تھی۔

❁ ❁ ❁

انجبلا کمرے کے درمیان میں کھڑی تھی۔ سیف ہسپتال سے آنے کے بعد یہیں قیام پذیر تھا۔ اس وقت وہ لیٹا ہوا کتاب پڑھ رہا تھا۔ اگر کوئی اور وقت ہوتا

تو شاید مارے حیرت کے وہ بے ہوش ہو جاتی کیونکہ وہ ارنسٹ ہمنگوے کا ناول پڑھ رہا تھا۔ زینی نے ہی اسے سیف کی ذاتی لائبریری دکھائی تھی جہاں دنیا بھر کا بہترین ادب جمع تھا۔ اسی نے بتایا تھا کہ سیف روزانہ ذمینوں سے آنے کے بعد کافی وقت لائبریری میں کتابیں پڑھتے ہوئے گزارتا ہے۔ لاہور میں پڑھائی کے دوران اس نے اکیڈمی سے فرنچ زبان بھی سیکھی تھی۔ اس کی ابتدائی اسکولنگ بھی بہت اچھی تھی اس لیے اسے لب و لہجے عبور تھا۔ انبساط نے پہلے توجہ نہیں دی تھی مگر اب ایک ایک کر کے سیف کی خوبیاں سامنے آرہی تھی۔ کافی دیر وہ یونہی کھڑی رہی تو سیف چونکا اور کتاب سامنے سے ہٹائی۔

"کیا بات ہے؟" اس سے پہلے کہ وہ کوئی جواب دیتی' باہر سے شور سنائی دیا۔ اس کے ساتھ سیف بھی باہر نکلا۔

حواس باختہ صغریٰ چلا رہی تھی۔

"زینی نے خودکشی کر لی ہے۔" اس کے پیچھے پیچھے اماں جی تھیں' ان کے منہ سے آواز ہی نہیں نکل رہی تھی۔

زینی کی لاش اکڑی ہوئی تھی جو اس بات کی دلیل تھی کہ اسے مرے ہوئے کافی دیر ہو چکی ہے۔ مرنے سے پہلے اس نے لطیف اور سیف کے نام الگ الگ تحریر چھوڑی تھی۔ سب سے پہلے انبساط نے ہی ان کے خط پڑھے۔ کسی القاب کے بغیر سیف کو مخاطب کر کے لکھا گیا تھا۔

"آپ بہت اچھے ہیں' اس سے بھی اچھی یہ بات ہے کہ میں نے انبساط جی کی آنکھوں میں آپ کے لیے ایک خاص رنگ دیکھا ہے۔ یہ وہ رنگ ہے جسے دیکھنے کی مجھے تمنا تھی۔ آپ کے ساتھ وہی جچتی ہیں۔ مجھے پتا ہے آپ نے اپنی اچھائی اور حساسیت سے مجبور ہو کر شادی کا فیصلہ کیا ہے' اس میں آپ کی مرضی شامل نہیں ہے۔

میں یہ بھی جانتی ہوں کہ آپ انبساط جی کو من ہی من میں چاہتے ہیں اور سلگتے رہتے ہیں۔ میں بھی سلگ رہی ہوں' عرصہ دراز سے۔ مجھے اپنی زندگی کا مقصد سمجھ میں نہیں آتا ہے اور جب چوہدری نے اغوا کر کے میری نسوانیت کی توہین کی تب سے مجھے اپنے وجود سے نفرت ہو گئی ہے۔"

انبساط سے اس سے آگے پڑھا ہی نہیں گیا۔ زینی اتنی حساس اور گہری ہوگی' اس کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا۔ یہ وہ کم پڑھے لکھے انسان' انسان اور انسانیت سے کتنے قریب تھے۔

"کیا ہے یہ؟" سیف کے ہاتھوں میں اس کی سنہری جلد والی ڈائری تھی۔

کاش زمین پھٹتی اور وہ اس میں سما جاتی۔ سیف کی آنکھوں سے شعلے نکل رہے تھے۔

"آپ مجھ جیسے اکھڑ' بددماغ' جاہل' وحشی اور بے ڈھنگے مرد سے چھٹکارا حاصل کرنا چاہتی ہیں' آپ مجھے ایک منٹ کے لیے بھی برداشت نہیں کر سکتیں۔ مجھ سے آزادی حاصل کرنے کے لیے آپ کو زینی کی ضرورت نہیں تھی۔ وہ مجھ سے اس قسم کی محبت نہیں کرتی تھی جو آپ تصور کرتی آئی ہیں۔ میں نے اسے تحفظ دیا' عزت دی تو وہ پاگل مجھے دنیا کا عظیم انسان سمجھنے لگی۔ فرشتہ کہتی تھی وہ مجھے' اور سنو۔"

سیف نے جھٹکے سے اس کا رخ اپنی طرف موڑا۔

"تمہارے قریب آنے کے لیے مجھے کسی بہانے اور ڈرامے کی ضرورت نہیں ہے۔ تم نے مجھے اتنا کمزور اور نفسانی خواہشات کا غلام کیوں سمجھ رکھا ہے جو ہر لڑکی پہ چوری چھپے بری نظر رکھتا ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو تمہیں رات کے اندھیرے میں مجھے پکڑنے کی ضرورت نہیں تھی۔ دل تو یہی چاہ رہا ہے کہ جاہل کی ایک جھلک دکھا ہی دوں جو اس ڈائری میں لکھی ہوئی ہے' پر تم عورت ہو' کوئی مرد ہوتا تو میں اسے جواب بھی دیتا۔

تعلیم ڈگریوں کی مرہون منت نہیں ہوتی' اخلاق۔ میرے پاس زیادہ ڈگریاں نہیں ہیں' میں نے سیکھنے کا عمل جاری رکھا ہے۔ بابا کے بعد میں نے عملی زندگی گزاری ہے۔ میں

ہی تعلیم سے حسد نہیں کرتا ہاں عمل کو ضروری تصور کرتا ہوں۔ تم پڑھی لکھی لڑکی ہو گھر والوں کو اپنی ناپسندیدگی کا بتا سکتی تھیں۔ خیر اب بھی زیادہ وقت نہیں گزرا ہے۔"

وہ سانس لینے کے لیے رکا۔ "تم جیسے اس حویلی میں آئی تھیں، ویسے ہی جاؤ گی۔ زبردستی مجھے پسند نہیں ہے۔ اسلام آباد پہنچنے کے بعد آپ کو جلد ہی طلاق کے پیپرز مل جائیں گے۔"

وہ پھر آپ کے طرز تخاطب پہ اتر آیا۔

"آپ بتائیں، کب اسلام آباد جائیں گی کیونکہ مجھے وکیل سے بھی ملنا ہے۔" "آپ کو اس وحشی، مرد کی قید میں جو اذیت ملی ہے، اس کا خاتمہ ہونے والا ہے۔ اب آپ جلد ہی اپنی من پسند زندگی شروع کریں گی۔"

وہ بول رہا تھا اور انبساط پتھر ہوتی سماعتوں کے ساتھ سن سی کھڑی تھی۔ "میں نے شادی کے تحائف کی صورت میں آپ کو جو کچھ دیا ہے، وہ واپس نہیں لوں گا۔"

سیف سپاٹ لہجے میں بولا۔

انبساط ہارے جواری کی مانند سہارا لینے کے لیے سامنے پڑے صوفے پہ ڈھے سی گئی۔ آنسو اس کی آنکھوں سے بے اختیار پھسلے تھے۔ وہ نہیں جانتی تھی کہ اب جب اسے سیف سے رہائی ملنے والی ہے تو وہ رو کیوں رہی ہے۔

وہ ہر میدان میں جیتتی آئی ہے، یہاں بھی اپنی خواہش کے مطابق جیت گئی ہے پھر دل کیوں دہائی دے رہا ہے۔ سیف اس کے معیار کا نہیں ہے پھر اسے کیوں تکلیف ہو رہی ہے؟

اسے پتا تھا سیف ارادہ بدلنے والا نہیں ہے۔ وہ زیردام آنا چاہتی تھی مگر اس نے پنجرا ہی کھول دیا تھا۔

"مگر سیف!" اس نے ڈبڈبائی نگاہیں اوپر اٹھائیں تو اس نے ہاتھ اٹھا کر اسے روک دیا۔

"پلیز کچھ مت کہیں، اس تعلق کے ساتھ میرے کچھ خوبصورت سے خواب بھی وابستہ تھے جو ایک ایک کر کے ٹوٹ گئے ہیں۔ جو کھو گیا ہے، وہ مل نہیں سکتا۔ محبتوں میں میں بھی انا پسند ہوں۔ اماں جی کو میں نے سمجھا لیا ہے۔ سفیان بھائی کے آگے سارا قصور میں نے اپنا ظاہر کیا ہے۔ کوئی آپ کو کچھ نہیں کہے گا۔ آپ پہلے کی طرح سر اٹھا کر چلیں گی۔" وہ اس کی طرف پشت کیے بول رہا تھا۔

"انبساط عالم!" وہ پلٹا تو اس نے دیکھا کہ سیف کی آنکھیں شدت ضبط سے سرخ ہو رہی ہیں۔

"انبساط عالم! تم جیت گئی ہو۔" یہ کہہ کر وہ وہاں رکا نہیں تھا۔ اس بار اس کے قدموں میں لڑکھڑاہٹ سی تھی۔

وہ جا چکی تھی۔ صرف اس کی خوشبو کا احساس سا باقی تھا۔ سیف کے اندر کوئی ہولے ہولے بین کر رہا تھا۔ سیف نے دل کے بھیدوں سے اسے لاعلم رکھا تھا مگر جاتے جاتے اس کے دل کا بھید پا گیا تھا کہ وہ بھی ہار چکی ہے۔

جاتے ہوئے اس نے صرف ایک التجا کی تھی کہ سیف اسے اس وقت تک طلاق نہ دے۔ جب تک وہ نہ چاہے اور سیف نے اس کی یہ درخواست قبول کر لی تھی۔

محبت کے قاتل، دوسروں کے احساسات کے قاتل کبھی نہ کبھی ہار ہی جاتے ہیں۔ ان قاتلوں کو سزا تو ملنی چاہیے اور سیف نے اسے نارسائی کی سزا دی تھی، جس کے کناروں پہ جدائی لکھی تھی۔

شہر آزار کو کھلتی ہوئی کھڑکی کی چھنکن
میری آنکھوں کو بھگوتی ہوئی آوارہ ہوا
دوش دیوار پہ بیزار گھڑی کی ٹک ٹک
میرے انجام پہ روتا ہوا ساون کا ستار
ٹوٹی الماری میں بکھرے ہوئے چاہت کے نقوش
رقص کرتی ہوئی تنہائی کے پیاسے سائے
میں اکیلا ہوں مگر پھر بھی
اکیلا تو نہیں